جلد 28 شمارہ 5 ماہ مئی 2026ء ذیقعد/ذی الحج 1447ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

صداقت

الله

محبّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ
فلاحِ آدمیّت
گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/50 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

شیطان انسان کا دشمن ہے، اسے اللہ نے دشمن ہی سمجھنے کا حکم دیا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں درج احادیث کے مطابق حضور اقدس ﷺ نے شیطان کے بارے میں فرمایا: بے شک شیطان انسان کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ دیگر کئی احادیث مبارکہ کی رو سے شیطان کئی صورتوں میں آسکتا ہے: انسان کی صورت آسکتا ہے، جانور خاص طور پر کتے کی صورت میں آسکتا ہے، انسان کے خواب میں آسکتا ہے۔ ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان انسان سے اپنی دشمنی میں کسی طرح غافل نہیں ہوتا۔ کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر ہر رنگ اور ہر زاویے سے آتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں شیطان کے بار بار حملہ آور ہونے کو ایسے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے اور زور سے ہوا خارج کرتا ہے تاکہ اذان نہ سنے۔ جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ پھر جب اقامت کہی جاتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے، اور جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو پھر آجاتا ہے اور آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، یہاں تک کہ اسے یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھی۔

شیطان کے مقابلہ کے لئے انسان کو جس قدر رہنمائی ملی ہے وہ بھی کسی طرح کم نہیں ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: بے شک جو لوگ تقویٰ والے ہیں، جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال آتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اسی طرح کئی احادیث مبارکہ ہیں جن میں اللہ کے ذکر کو شیطان کے حملہ سے بچنے کا بہترین ذریعہ قرار دیا گیا ہے: اللہ کا ذکر کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے دشمن سے بچ کر مضبوط قلعے میں داخل ہو جائے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب آدمی اپنے گھر میں

داخل ہوتے وقت اور کھانے کے وقت اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: نہ یہاں رات گزارنے کی جگہ ملی، نہ کھانے کا حصہ۔ ان کے علاوہ بھی کئی احادیث مبارکہ ہیں جو کسی انداز سے اللہ کے ذکر اور شیطان کے حملہ سے بچاؤ پر دلیل ہیں۔

ان قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اگر ان تعلیمات ذکر کو دیکھا جائے جو بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ہمیں تعلیم فرمائی ہیں تو وہ بھی اکسیر سے کم نہیں۔ ہر سانس جب اندر جائے تو اللہ اور باہر آئے تو اللہ۔ نہ صرف ایک سانس میں دو مرتبہ اللہ کہنا بلکہ اللہ کی یاد کو ہر سانس میں بسا لینا۔ جو انسان اللہ کا ذکر ایسے کرے کہ ہر دم اللہ کی یاد اس میں بسی رہے تو کیسے ممکن ہے کہ شیطان کا حملہ اس پر کارگر ہو گا۔ اللہ کے ذکر کی صورت انسان نہ صرف ایک مضبوط حصار میں اللہ کی پناہ لے سکتا ہے بلکہ اللہ کی یاد کے دیگر جو فضائل و برکات ہیں وہ اس سے علاوہ ہیں۔ اللہ اپنے ذکر کرنے والوں کو خود یاد کرتا ہے، فرشتے اس جگہ جمع ہو جاتے ہیں جہاں اللہ کا ذکر کیا جا رہا ہو۔ آسمان سے وہ جگہیں ستاروں کی مانند چمکتی ہیں جہاں اللہ کا ذکر کیا جا رہا ہو۔ ایسی صورت میں اس انسان کا کیا ہی مقام ہوگا جس کا دل ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول ہو۔ ایسی باتیں پڑھ کر اور سن کر نہ صرف توحیدیہ تعلیمات پر دل مطمئن ہوتا ہے بلکہ عمل کی ایک تحریک ملتی ہے۔ یقیناً خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا، ان کے دل ان تعلیمات کے لئے کھول دیئے اور جو اپنی کوشش سے اللہ کی یاد میں اپنے آپ کو مصروف رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توحیدیہ تعلیمات پر پورے ذوق و شوق سے عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں ہر قسم کی آزمائش اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھے، اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت ہماری اجتماعیت کو بہترین دینی، دنیاوی و روحانی کمالات سے مستفیض فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام!

سید رحمت اللہ شاہ

نائب مدیر

پیامِ قرآن

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ۔ (سورۃ القصص 28: آیت 77)

(قارون کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ) جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔ اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ (سورۃ لقمان 31: آیت 18)

اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل۔ اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔ (سورۃ الشوریٰ 42: آیت 40)

برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ رات میں نماز کیونکر پڑھتے تھے؟ آپؓ نے بتلایا کہ شروع رات میں سو رہتے اور آخر رات میں بیدار ہو کر تہجد کی نماز پڑھتے۔ اس کے بعد بستر پر آ جاتے اور جب مؤذن اذان دیتا تو جلد سے اُٹھ بیٹھتے۔ اگر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل کرتے ورنہ وضو کر کے باہر تشریف لے جاتے۔

(کتاب التہجد، صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان ہوتی ہے تو شیطان ہوا خارج کرتا ہوا بھاگتا ہے تا کہ اذان نہ سنے، جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے۔ پھر جب اقامت ہوتی ہے تو پھر بھاگ پڑتا ہے۔ لیکن اقامت ختم ہوتے ہی پھر آ جاتا ہے اور نمازی کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں فلاں بات یاد کر، اس طرح اسے وہ باتیں یاد دلاتا ہے جو اس کے ذہن میں نہیں تھیں۔ لیکن دوسری طرف نمازی کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں اس نے پڑھی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو یہ یاد نہ رہے کہ تین رکعت پڑھیں یا چار تو بیٹھے ہی بیٹھے سہو کے دو سجدے کر لے۔

(کتاب السہو، صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زیدؓ نے جھنڈا اٹھایا لیکن وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفرؓ نے جھنڈا سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہؓ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا) اور پھر خالد بن ولیدؓ نے خود اپنے طور پر جھنڈا اٹھایا اور ان کو فتح حاصل ہوئی۔

(کتاب احکام جنازہ، صحیح بخاری)

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ لاہور سے میاں محمد انور صاحب اور گوجرانوالہ سے جناب بشیر بٹ صاحب کی وفات کی بات چلی تو فرمایا:

یہ بابا جی انصاری صاحبؒ کے مریدین سے تھے اور بڑے Dedicated لوگ تھے۔ انور صاحب پچھلے طویل عرصہ سے صاحب فراش تھے اور بشیر بٹ صاحب پچھلے ایک سال سے بات چیت نہیں کر سکتے تھے، یہ چلتے پھرتے تھے مگر گھر میں ہی رہتے تھے، کہیں آنا جانا بھی ان کا بند تھا۔ ہم ایک مہینہ پہلے ان کی بیمار پرسی کے لئے گئے تھے، ان کے پاس کوئی آدھا گھنٹہ بیٹھے، ان کی دل جوئی کی اور واپس آ گئے۔ انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ اچانک ان کی وفات کا سنا اور جنازہ میں گئے۔ سب دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے گھر والوں کی حفاظت فرمائے۔

یہ بھی دعا کریں کہ ان کے بیٹے سارے بڑے پنجابی جوان اور پہلوان ہیں، انہیں بھی اللہ اللہ کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ میں نے دعوت تو دی ہے کہ اپنے باپ کی جگہ کو پر کریں۔ ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی یاد کا شوق دے کہ وہ اپنے والد کی جگہ پر کریں۔

☆ ایک بھائی نے ذکر کا حال بتایا کہ میں حلقہ ذکر میں شامل ہوتا ہوں تو اس پر فرمایا:

آپ کے لئے نہیں وہ عام لوگوں کیلئے ہے کہ وہ ہفتہ اتوار ہو۔ آپ کے لئے روزانہ Must سے آگے کوئی لفظ Superlative degree ہے تو وہ ہے۔ کوئی ناغہ نہیں کرنا۔ حاضری لگوانی ہے چاہے پانچ منٹ کیلئے، وقت ہے تو دس منٹ لگالیں، اور وقت ہے تو پندرہ منٹ لگالیں لیکن حاضری ضرور لگوانی ہے۔ یہ یاد رکھیں۔ آپ کو پتا ہو کہ یہاں حاضری لگوانا میری موت اور زندگی کا سوال ہے۔ چاہے پانچ منٹ کے لئے ہو۔ میں نے Superlative degree کہا ہے۔ جو ضروری چیزیں ہیں ان میں سب سے زیادہ ضروری آپ کے لئے یہ ہے۔ اس کا خیال رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دے۔

پانچ منٹ کے لئے بھی حاضری لگوالیں اور ساتھ کہہ دیں کہ اللہ میاں باتیں سنتا ہے۔ کہہ دیں کہ یا اللہ! میں حاضر ہو گیا ہوں آپ کو پتا ہے میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے، بس میں نے حاضری لگوانی تھی کیوں کہ اس کے بغیر میرے لئے چارہ کار نہیں ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ زیادہ ٹائم نہیں دے سکتا۔ بس اسی میں اللہ میاں خوش ہو جائے گا اور آپ کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ صرف اسی بات سے اللہ میاں خوش ہو جائے گا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے اور آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

☆ ہر وقت اللہ کو یاد کریں بس۔ اور ہماری کوئی Demand نہیں ہے۔ قرآن کی رو سے اللہ کو یاد کرنا ہم پر فرض ہے۔ اگر ہم نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ پھر ہم پر فرض ہے۔ اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے اللہ کو یاد کرنا شروع کریں اور ہمیں بتائیں، ہم سے رابطہ رکھیں کہ آپ کو کیا تکلیف ہے تاکہ اگر کوئی ہے تو ہم اس کا مداوا کر سکیں۔ ہم حاضر بیٹھے ہیں۔

☆ ایک زمیندار و کاشتکار بھائی کی طرف سے گندم کے حالیہ بحران پر بات چلی۔ آپ نے فرمایا:

اللہ آپ کی مدد فرمائے۔ سب لوگ اس وقت کسانوں کے لئے دعا گو ہیں۔ میں تو بڑی دعا کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ اتنی محنت کرتے ہیں، اتنا خرچہ کرتے ہیں۔ انہیں Return کا وقت آتا ہے تو ہم پالیسی ایسی بنا دیتے ہیں کہ ان کا بھٹہ بیٹھ جاتا ہے۔ اس دفعہ تو بہت برا ہوا، مجھے اس کا احساس ہے۔ دعا تو کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی مدد فرمائے۔ دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خیر فرمائے۔

☆ آپ لوگ حلقے کی خدمت کے لئے قدم بڑھائیں۔ پیچھے بیٹھے رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ قدم آگے بڑھائیں، اپنے سے زیادہ آگے کرنے کی نہیں تو کم از کم اپنے ساتھ قدم ملانے والے بندے پیدا کریں تاکہ آپ ساتھ قدم ملا لیں، آگے اللہ خود بڑھا دے گا۔ خاموش مت رہیں، محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دے، حوصلہ دے، آپ کو صحت اور تندرستی دے۔

☆ ملتان میں ایک بھائی کی طرف سے خاص طور پر حلقہ ذکر کے لئے تیار کردہ جگہ اور یہاں حلقہ ذکر کی بات پر فرمایا:

انہوں نے بڑی محنت کی ہے، بڑی ہمت کی ہے، جو جگہ ذکر کے نام سے بنی ہے تو وہاں لطف بھی بڑا آتا ہے۔ سب لوگ وہاں اکٹھے ہوتے ہیں تو اس کے علاوہ اور بھی ہستیاں وہاں موجود ہوتی ہیں۔ اللہ آپ سب کو اس طرح اللہ اللہ کرنے کی اور یہ جو آواز ہے اسے دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

☆ ذکر میں سستی ہرگز نہ کریں۔ آپ نے کسی سے وعدہ بھی کیا ہے، اس وعدہ کو مت بھولیں۔

☆ ہمارے سلسلہ کی تعلیم کا مرکز جو ہے وہ ذکر ہی ہے ۔ ہمارا ذکر سے مطلب جو ہے وہ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا ہے۔ ہمارے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کے ذکر میں اتنا مصروف ہو جائیں کہ سب کچھ چھوڑ کے صرف اللہ کے ہو جائیں۔ یہ اپنے ذکر کی بنیاد رکھیں۔ اس کے لئے ٹائم جیسے میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ آپ بہت زیادہ مصروف ہیں تو پانچ منٹ کے لئے اللہ کے سامنے پیش ہو جایا کریں۔ دل سے پیش ہو جائیں کہ اللہ میاں میں حکم کے مطابق حاضری دے رہا ہوں۔ یہ قبول فرما اور مجھے توفیق دے کہ میں زیادہ ٹائم دے سکوں اور آپ کا ذکر کر سکوں۔ بڑے پیار سے اور دل کی گہرائیوں سے یہ الفاظ کہہ کے کہ میں شرمندہ ہوں، میرے پاس اس وقت زیادہ وقت نہیں ہے، مجھے دنیا میں پیدا کیا ہے تو اس کے حالات دگر گوں ہیں۔ میں شرمندہ ہوں مگر اس وقت میں اجازت چاہوں گا بس اللہ اللہ کریں اور یہ چار پانچ منٹ دے دیں۔ یہ انتہائی مجبوری کی حالت ہے۔ حالات اچھے ہوں تو دس منٹ دے دیں، اور اچھے ہوں تو پندرہ منٹ دے دیں۔ اس سے زیادہ کی ہماری آپ سے ڈیمانڈ ہی نہیں ہے۔

یہ نفی اثبات کے لئے اگر آپ پندرہ منٹ بھی دے دیں تو ہمارے لئے یہ بہت ہیں۔ باقی جو پاس انفاس ہے اس کے لئے پورا دن آپ کے پاس ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاضری کا تصور کرتے ہوئے سارے کام کریں بس ایک بات ذہن میں رکھیں کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ بس اتنا بہت ہے۔

شروع سے جب آپ قدم اٹھاتے ہیں، قدم اٹھانا سیکھتے ہیں تو وہاں سے لے کر آپ کے بوڑھا ہونے تک یہ سوچ آپ کے کام آئے گی اور آپ کو آگے یہ سوچ بڑھائے گی

بس یہی سوچ کہ میر اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں میر اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرے دل کے اندر ہے، باہر ہے، اوپر نیچے ہر طرف میر اللہ ہی ہے اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے، مجھ سے غافل نہیں ہے، مجھے اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

بس یہ خیال دل میں رکھیں اور باقی اپنی دنیا کے سارے کام کریں۔دنیا کے کام کرنا ہمارا تقاضا ہے وہ بڑے شوق سے کریں، دل کی گہرائیوں سے کریں۔اپنے آپ میں کوتاہی سے کام نہ لیں، خوب شوق سے اپنا کام کریں تا کہ وہاں بھی آپ ترقی کریں اور دنیا کو بھی بتا دیں کہ اللہ اللہ کرنے والے ہر کام سب سے زیادہ کر سکتے ہیں۔یہ آپ لوگوں نے ثابت کرنا ہے۔

ممتاز مفتی کی کتاب 'تلاش' میں نے پڑھی۔وہ سوچ سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں سوچ سکتے؟ یہ میں مفتی کے الفاظ بتاتا ہوں کہ میں خانہ کعبہ گیا۔اس نے خانہ کعبہ کو کوٹھا کہا۔کہتا ہے کہ کیا بات ہے، کوٹھے کا جواب نہیں۔میں نے کوٹھے کے کونے میں دیکھا کہ اللہ میاں بیٹھا ہوا تھا۔میں نے کہا یا اللہ میاں! تو یہاں چھپ کے بیٹھا ہوا ہے۔تجھے میرے دل میں ہونا چاہئے۔تو یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے؟ میں نے کہا یہاں میرے دل میں آجا۔

اس کے بعد میں نے جب سے کوٹھا دیکھا اور اس کے پاس اللہ میاں کو دیکھا تو بس اس کے بعد سے میں جب کھانا کھانے بیٹھتا ہوں تو اللہ میاں کو اپنے پاس بٹھالیتا ہوں۔آپ بھی یہاں بیٹھیں۔ہم اکٹھے مل کے کھانا کھائیں۔جب وہ ایسی باتیں کر سکتا ہے تو آپ ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ آپ کا تو دعویٰ ہے: ہم اللہ کے ماننے والے ہیں، ہمیں اللہ سے پیار ہے۔ہم اللہ سے پیار کرنے والے ہیں تو آپ بھی ایسا کریں۔اللہ میاں سے بالکل بے تکلفی سے پیش آئیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی ہر بات کو دیکھے گا، آپ کے نخرے اٹھائے گا۔اللہ میاں کو پیار ہی اپنی مخلوق سے اتنا ہے۔ہمیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے۔آپ اللہ سے پیار کریں اور دیکھیں کہ اللہ میاں کیسے پیار کرتا ہے۔

☆ خادم حلقہ کے بارے میں بات چلی تو فرمایا:

یہ خادم حلقہ کی ذمہ داری ہے کہ انہیں ہر وقت پتا ہو کہ میر افلاں بھائی کس حال میں ہے۔کہاں ہے۔ یہ کچھ نہ کچھ سب کو پتا ہونا چاہئے۔یہی رابطے کا سبب ہونا چاہئے کہ ہمیں ایک دوسرے کے Where abouts کا اورکم ازکم موجودہ حالت کا پتا ہونا چاہئے کہ تندرست ہے، بیمار ہے، کیا ہے۔ایسی باتوں کا ہمیں پتا ہونا چاہئے۔ یہ باتیں جب کسی جماعت میں پیدا ہو جاتی ہیں تو پھر جماعت آگے بڑھتی ہے،ترقی کرتی ہے۔اگر آپ لوگوں نے جماعت کو ترقی دینی ہے تو آپس میں رابطہ ضرور رکھیں۔ٹیلی فون پر ایک منٹ کی کال کریں۔قریب ہو تو Physically اس سے ملنے کے لئے چلے جائیں۔بیمار ہے تو بیمار پرسی کے لئے چلے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ملاقات کرنے کے سو بہانے ہیں۔یہ بہانے تلاش کریں اور ملنے کے لئے چلے جایا کریں۔اس سے رابطہ بڑھے گا، ان شاء اللہ پیار بڑھے گا تو حلقہ ترقی کرے گا۔

☆ اللہ میاں سے متعلق اپنا گمان اچھا رکھیں، اپنا گمان دوستانہ رکھیں اور دل میں اس بات کا خوف رکھیں کہ مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جائے جس سے اللہ میاں ناراض ہو جائے۔خوف اس بات کا ہونا چاہئے۔باقی اللہ میاں ڈنڈا لے کر کھڑا نہیں ہو گیا آپ کو مارے گا یا کوئی سزا دے گا۔آپ کو خوف اس بات کا ہونا چاہئے کہ کہیں اللہ میاں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے کہ وہ مجھ سے ناراض ہو جائے اور میں راندہ درگاہ بن جاؤں۔بس اس بات کا دل میں خوف رکھیں۔باقی آگے بڑھتے جائیں۔اللہ تعالیٰ مزید آگے بڑھے گا۔پیچھے نہیں ہٹے گا۔اتنا پیار اللہ ہے۔

سستی کے تو قریب بھی بھٹکنے کی اجازت نہیں ہے۔ سستی کیا ہے۔ ہمیں ڈار صاحبؒ نے سنایا تھا کہ ہمیں یہ بات باباجیؒ نے سنائی تھی کہ ایک دفعہ وہ رسالدار صاحبؒ کے ساتھ دن بھر پتا نہیں کہاں کہاں سرکاری کاموں میں مصروف رہے، ساتھ ان کے ایک چھوٹے بھائی بھی تھے، میں بھی تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی کے منہ سے اچانک نکلا کہ بھائی صاحب آج تو میں تھک گیا ہوں۔ بس یہ بات نکلنی تھی کہ رسالدار صاحب یہ بات سن کر اٹھ گئے اور کہتے ہیں میرا دل کرتا ہے کہ میں تمہاری گردن دبا دوں۔ میں آپ سے اتنا بڑا ہوں، روزہ بھی ہے، اور سارا کام کرتا رہا ہوں، میں یہ نہیں کہتا کہ میں تھک گیا ہوں، میرے تم سے یہ الفاظ سننے سے پہلے میرے لئے تم مرجاتے تو یہ اچھا تھا۔

ہمارے لئے تو انصاری صاحبؒ کے علاوہ رسالدار صاحبؒ تک یہ قاعدہ ہے کہ یہ سستی ہمیں راس ہی نہیں آتی۔ ہمارے لئے یہ مناسب ہی نہیں ہے کہ کسی بھی طریقے سے کسی بھی کام کو Handle کرنے کے لئے سستی سے کام لیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب سے بری بات ہے۔ منافق کی نشانی بھی اللہ میاں نے قرآن میں یہی لکھی ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو نماز کے لئے نہیں جاتا اور سست روی سے، کسل مندی سے اٹھتا ہے۔ سست ہوجاتا ہے۔ یہ ہمیں راس نہیں آتا۔

سب بھائی سن لیں۔ خوب Active رہیں۔ سب کام کریں۔ ہمارے دنیا کے کام بھی دنیا کے کام نہیں ہیں، یہ بھی دین کا کام ہے۔ یہ بھی آپ کی عبادت ہے۔ یہ خوب چستی سے اور تندہی سے کریں۔ یہ جو ذکر ہے اس کا تو تقاضا ہی یہی ہے کہ آپ جب بیٹھیں تو پوری طرح جاگتے ہوں، پورے ہوش و حواس میں، پورے ذوق و شوق سے اپنا ذکر کریں۔ یہ ذکر کا تقاضا ہے کہ آپ کسل مندی سے نہیں، جوش و خروش سے ذکر کریں۔

☆ بقول انصاری صاحبؒ کے اللہ نے اس حلقے کو چلانا ہے۔ اللہ اس کی بہتری کے حالات بھی پیدا کرے گا۔ ہم نہ سہی اور سہی۔ ہمارے بعد آنے والے نہ سہی ان کے بعد آنے والے سہی، کوئی ایسا آئے گا کہ ہم خوب اکٹھے ہو جائیں گے اور یہ سلسلہ خوب زور شور سے چلے گا۔ ان شاء اللہ۔ ہمیں یقین ہے۔ لیکن ہمیں اپنے وقت کو اور اپنے فرائض کو نہیں بھولنا چاہئے۔ اس وقت ہمیں اپنے فرائض یاد کر کے ان پر پوری طرح عمل پیرا ہونا چاہئے تا کہ نئے حالات کے لئے ہم صرف نہ خود تیار رہیں بلکہ جو نئے آنے والے بھائی ہیں جنہوں نے ان حالات کو اصل میں Face کرنا ہے، وہ تیار ہوں۔ حلقے کی تعلیم سے پوری طرح آگاہ ہوں اور وہ مستعد بھی ہوں۔ وہ لوگ تیار کرنا آپ لوگوں کا کام ہے۔ ہمارا کیا ہے؟ کسی وقت بھی چھٹی ہو جائے۔ بعد میں جو آئے وہ نئے جوش اور نئے ولولے سے آئے، ممکن ہے۔ اللہ کے ہاں ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ اسے کیا پرواہ ہے کہ دس سال گزر گئے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہے۔ ممکن ہے ایک آدمی آئے اور اس کے دور میں کچھ نہ ہو سکے، پھر دوسرا آئے تو اس کے دور میں بھی کچھ نہ ہو سکے پھر تیسرا آئے اور اس وقت اللہ کہے کہ کافی وقت گزر گیا ہے، اب ان کی مدد کر دو، وہ مدد کر دے اور حلقہ آگے نکل جائے۔ ہمیں خود تیار رہنا چاہئے۔ اپنے پاس دوست احباب کو اور جو نئے لوگ آئے ہیں انہیں حلقے کی تعلیم سے پوری طرح فیضیاب کریں اور انہیں مستعد رکھیں کہ حلقے کی تعلیم پر عمل کریں اور مستعد رہیں کہ ہم نے آگے دنیا کی نگہبانی کرنی ہے۔ آپ نے دنیا کی پاسداری کرنی ہے، ان کی مدد کرنی ہے۔ اقبال یہ جو کہتا ہے کہ

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

یہ سارے جوشعر ہیں یہ آپ لوگوں کے لئے ہی ہیں۔ اللہ آپ کے ساتھ ہے اس میں آپ کو کسی قسم کی فکر یا شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔ Open heartedly اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ اللہ کی امیدوں پر آپ پورے اتریں۔

اللہ کہتا ہے آپ میرا ذکر کریں تو میں آپ کا ذکر کروں گا۔ آپ انسانوں میں میرا ذکر کرتے ہیں تو میں فرشتوں میں آپ کا ذکر کرتا ہوں۔ ایسے تو یہ ساری بات نہیں ہے۔ ہمارے حق میں ہے اور ہمارے متعلق ہی یہ باتیں کہی ہیں کہ جو آدمی اللہ کی یاد کا بیڑا اٹھا کے آگے بڑھتے ہیں تو آگے اللہ پھر ان کے ساتھ ہوتا ہے، انہیں اللہ اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اللہ ان کا ساتھ دیتا ہے۔ اللہ نے کہا ہے کہ

وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا۔ (سورۃ النساء ۴: آیت ۲۸)

اسے یہ پتا ہے کہ ہم ہر معیار پر پورا نہیں اتر سکتے۔ اس لئے کہ اسے سب پتا ہے وہ نظر انداز بھی کر دیتا ہے بلکہ معاف ہی کر دیتا ہے۔ صرف ہمیں اس سے یہ امید رکھنی چاہئے اور اپنے طور سے ہمیں ایسی بات کے پیش آنے کا موقع نہیں دینا چاہئے کہ جس سے ہماری سستی ظاہر ہو۔ ہماری ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ ہم الرٹ رہیں اور باعمل رہیں۔ اس میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ اللہ معاف کر دیتا ہے۔

☆ ایک بھائی سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

تم حلقے میں Senior آدمی ہو تو اپنے Junior آدمیوں کی مدد بھی کرو پھر تمہارا نام آگے آئے گا ورنہ ایسے صرف تمہارا اللہ اللہ کرنا ہمارے لئے کافی نہیں ہے۔ اب ماشاء اللہ آپ کا حلقے میں خاصا وقت ہو گیا ہے، اپنے بعد آنے والے بھائیوں سے رابطہ رکھو اور

ان کو تعلیم کرو، انہیں اگر کسی مدد کی ضرورت ہے تو ان کی مدد کرو۔ اور کوئی آدمی بھی تلاش کرو جسے تم اللہ اللہ کرنے کے رستے پہ ڈال سکو۔ ایسے سست رہنے کی یہ جگہ نہیں ہے، اس کا نہ وقت ہے نہ موقع ہے۔ ایسے سست مت رہا کرو۔ اور یہاں مجھ سے بات کرنے کے لئے بھی آج آپ سال کے بعد تشریف لا رہے ہیں۔ یار! یہ تو آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ آپ وقت پر آیا کریں کم از کم دوسرے تیسرے یا چوتھے ہفتے تو ضرور آجایا کریں تا کہ ہمیں پتا چلے کہ آپ ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اور Active ہیں، کام کر رہے ہیں۔

☆ خبیث روحوں اور بھوت سے متعلق سوال کیا گیا تو اس پر فرمایا:

جو گنہگار لوگ ہوتے ہیں، جن کی روحیں اس مادی دنیا سے اوپر نہیں اُٹھ سکتیں، وہ اتنی بوجھل ہوتی ہیں، اتنے گنہگار ہوتے ہیں وہ اوپر نہیں اُٹھ سکتے تو ان کو یہ شیطان اسی وقت قابو کر لیتا ہے اور ان سے پھر اپنے کام کراتا ہے۔ آپ نے بابا جی انصاری صاحبؒ کا مضمون 'کالو کا بھوت' پڑھا ہوگا۔ 'فرمودات فقیر' میں اگر آپ یہ پڑھیں تو آپ کو صحیح سمجھ آجائے گی کہ بھوت کیا چیز ہے۔ یہ بھوت شیطان ہی سے ہے۔ جس آدمی کی روح اتنی بھاری اور بوجھل ہو جاتی ہے کہ وہ مادی دنیا سے اوپر نہیں اٹھ سکتا تو اس کو پھر شیطان اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور اپنے کام اس سے لیتا ہے۔ جب تک کہ اسے کہیں سے مدد نہ مل جائے، کوئی ایصال ثواب نہ کر دے، اسے کوئی روح نہ مل جائے، کسی وقت اللہ مہربانی کر لے، اسے ثواب دے دے اور وہ اس سے اوپر اُٹھ جائے تو یہ اس کی قسمت ہے ورنہ وہ ادھر ہی رہتا ہے جب تک کہ اس کو Required ثواب نہ ملے، ورنہ وہ ادھر ہی رہتا ہے۔ وہ آگے نہیں جا سکتا۔ وہ شیطان ہی ہے۔ آپ 'فرمودات فقیر' میں یہ قصہ پڑھیں، آپ کو سمجھ آجائے گا۔

جو اللہ کے نیک بندے ہیں ان سے تو اللہ خود کام لیتا ہے۔ یہ بھی آپ کو پتا ہونا چاہیے۔ بابا جیؒ کی کتابوں میں رسالدار صاحبؒ کے متعلق ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس آئے تو ان کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو کہا کہ جہاز ڈوب رہا تھا، اسے پار لگانے کے لئے گیا تھا، یہ کر کے آ رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ وہاں جا کے بھی ایسے کام ہوتے ہیں؟ تو کہا کہ وہاں جا کے بھی آرام سے نہیں رہنے دیتے، کام لیتے ہیں۔ ہماری ڈیوٹی ایک مطبخ میں ہے یعنی باورچی خانے میں ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ یہ وہاں بھی نیک لوگوں کو کام کرنا پڑتا ہے۔ اللہ ان سے کام لیتا ہے۔ مختلف قسم کے کام ہوتے ہیں۔ یہ فرشتے بھی جو ہیں یہ بھی تو اللہ کی ایجنسیاں ہیں۔ ان ایجنسیوں سے جو کام لینا ہے تو نیک لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ کچھ ان سے نہ ہو سکتا ہو تو ان سے اللہ کام لے لیتا ہے۔

ایک بھائی نے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس بھی قوم لوط کے عذاب سے پہلے جو آئے تھے ان کے بارے میں قرآن پاک نے فرشتے کا نہیں کہا۔ اس پر فرمایا:

بالکل صحیح بات ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ صبح تک نہیں بچ سکتے۔ صبح سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے۔ ان کے بارے میں 'فرستادے' کا لفظ ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ فرشتے تھے یا جو بھی تھے وہ بھیجے ہوئے اللہ کے تھے۔

☆ دنیا میں بھی اجر و ثواب کی بات پر فرمایا:

جو نیک ہیں ان کے حالات ایسے ہی ہوں گے، یہاں بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوں گے اور جو برے ہیں ان کے بھی وہی حالات ہوں گے لیکن بہرحال وہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور انہیں احساس ہو گا کہ ہم نے غلطی کی ہے۔ بس یہ انہیں

Confirm ہوجائے گا باقی حالات وہی ہوں گے جو آج کل ہیں۔

قیامت والے حالات تو وہ حساب کتاب کے بعد ان کو اطمینان کے بعد کہ ہمیں یہ سزا کیوں ہوئی ہے، اس کا باقاعدہ اللہ بتائے گا کہ تم نے یہ کیا تھا، اس کے بدلے میں تمہارے اعمال کا یہ صلہ ہے جو مل رہا ہے۔لیکن ان حالات کو Face کرنا وہ اسی وقت شروع کردیں گے جس وقت ان کی روح جسم سے الگ ہوگی۔فوراً ہی یہ شروع ہوجائے گا۔

"تعمیر ملت" میں ایک مضمون ہے کہ یہاں دو قسم کے خیالات والے لوگ ہیں۔ یہ عذاب اور ثواب، کوئی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔باباجیؒ نے بھی وہ ثابت کیا ہے کہ اصل میں حساب کتاب مرنے کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے لیکن چونکہ اس وقت میں اور اُس وقت میں اللہ کے نزدیک کوئی فاصلہ نہیں ہے۔کیونکہ وہاں قیامت کے دن جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کتنا وقت دنیا میں گزارا تو وہ کہیں گے ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔چاہے وہ دو سو سال زندہ رہا ہو، ہزار سال زندہ رہا ہو لیکن وہ یہی جواب دے گا کہ میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ دنیا میں رہا ہوں۔اس حالات میں جو حساب کتاب ہے تو سمجھو کہ مرتے ہی شروع ہوجاتا ہے اور اس کا انجام بھی ملنا شروع ہوجاتا ہے۔باباجیؒ نے یہ ثابت کیا ہے۔"تعمیر ملت" میں پڑھیں وہاں یہ مضمون ہے۔چونکہ وہاں دنیا والا وقت تو نہیں ہوگا، وہاں قیامت والا وقت ہوگا۔جس کے متعلق اللہ نے کہا ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سالوں کے برابر ہے۔یہ باتیں کہ حساب کتاب مرنے کے بعد شروع ہوجاتا ہے یا قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جزا وسزا کا معاملہ ہوتا ہے تو یہ کہنا بے کار ہے۔اللہ کے یہ کام ہیں وہ ان کو Continue رکھے ہوئے ہے اور یہ شروع سے ہے اور آخر تک رہے گا۔جو برے ہیں وہ شروع سے ہی

برے ہیں اور آخر تک برے رہیں گے اور جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ شروع سے نیک ہیں اور آخر تک نیک رہیں گے۔ یہ اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ بھگت بھی رہے ہیں اور یہ قیامت تک اور اس کے بعد تک اس کا نتیجہ بھگتتے رہیں گے۔

ٹائم سکیل جو ہے یہ اللہ میاں کے اپنے پاس ہے۔ دنیا میں جو نیک لوگ ہیں، پہلے سے ہی نیک ہیں اور شروع سے نیک ہیں، آخر میں حساب کتاب کے وقت ان کا جو فیصلہ ہوگا اس میں بھی وہ نیک ہی ثابت ہوں گے اور انہیں ان کے مقام تک پہنچا دیا جائے گا۔ جو گنہگار لوگ ہیں وہ ابھی سے گنہگار ہیں، بھگت رہے ہیں، آخر تک بھگتتے رہیں گے اور آخر کار ان کا فیصلہ وہی ہوگا جو دنیا میں بھگتتے رہے ہیں۔ یہ سارا ایک سلسلہ ہے جو چل رہا ہے۔ اللہ تو عالم الغیب ہے، اسے پتا ہے۔ ایک بچہ جس کی ابھی روح ہی رحم مادر میں داخل ہوئی ہے اس وقت سے اللہ کو پتا ہے کہ یہ ناجی ہے یا ناری ہے۔ اسے پتا ہے۔ اس کی تربیت اسی وقت سے ہی ایسی ہوتی ہے اور قیامت تک وہ اپنی اسی روش پر چلتا رہتا ہے، چلتا رہتا ہے اور بالآخر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان

بس آپ کی ہر بات میں آج کی جو حالت ہے وہ کل نہیں ہونی چاہئے۔ آدمی کو اس سے بہتر ہونا چاہئے اور آپ کو احساس ہونا چاہئے کہ میں نے کل اگر ایک جھوٹ بولا تھا تو آج میں نے وہ نہیں بولا، آج میں بہتر ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اپنے لئے ایسا پیمانہ رکھیں اور کوشش کریں کہ اس پیمانے پر آپ لحظہ لحظہ بقدم قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح انشاء اللہ آپ کو اللہ تعالیٰ برتری دے گا اور آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔

(آن لائن محفل مورخہ 02 جون 2024ء کی گفتگو سے اقتباسات)

عنوان مسلمانی

(عنوان دوم: حق باری تعالیٰ کی معرفت کے بیان میں)

(امام غزالیؒ)

فصل: غیر مباح کو مباح جاننے والے خدا تعالیٰ کی حدود سے اور اس کے احکام سے دستبردار ہو گئے۔ اس غلطی اور نادانی کی سات وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ اس فرقہ کی نادانی کی یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا کیونکہ اس بے چون کو وہم وخیال کے خزانہ میں چگونی کے ساتھ ڈھونڈا، جب نہ پایا تو اس کی خدائی سے انکار کیا۔ اور کاموں کو طبیعت اور تاروں کے حوالے کیا۔ اور یہ سمجھے کہ آدمی حیوانات اور یہ عجب جہاں اس حکمت وترتیب کے ساتھ خود بخود پیدا ہوئے ہیں۔ یا آپ سے آپ ہمیشہ سے ہیں۔ یا یہ سب طبیعت کا کام ہے۔ جب علم طبیعی کا عالم خود اپنی ذات سے بے خبر ہے تو اور چیز کو کیا پہچانے گا۔ اور ان کی مثل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اچھا سا خط دیکھے اور سمجھے یہ آپ سے آپ پیدا ہوا ہے۔ اس میں کاتب کے علم و قدرت اور مادہ کا کوئی دخل نہیں ہے یا یہ خط ہمیشہ یونہی لکھا ہوا تھا اور جس کا اندھا پن اس قدر ہو وہ بدبختی اور گمراہی کی راہ سے کبھی نہ پھر سکے گا۔ اور نجومی اور طبیعی کی غلطی پہلے ہی بیان ہو چکی ہے۔ دوسری وجہ اس گروہ کے جہل اور نادانی کی ہے کہ آخرت کا معتقد نہ ہوا کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ آدمی گھاس پات کی مثل یا اور حیوانوں کی مانند ہے۔ جب مر جائے گا، نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس پر عتاب ہے نہ اس کا حساب نہ اس پر عذاب ہے نہ اس کو ثواب۔ اور اپنے نفس کو نہ جاننا اس جہل کا سبب ہے کہ خود اپنی فطرت کو گدھا، بیل یا گھاس تصور کرتا ہے۔ اور یہ روح جو آدمی کی حقیقت ہے اسے نہیں پہچانتا ہے کہ وہ ہمیشہ رہے گی، ہرگز کبھی نہ مرے

گی لیکن اس کا ڈھانچہ اس سے پھیر لیں گے اور اسی کو موت کہتے ہیں۔ موت کی حقیقت چوتھے عنوان میں بیان کی جائے گی۔ تیسری وجہ ان لوگوں کے جہل ونادانی کی یہ ہے کہ جناب احدیت اور قیامت پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر ضعیف اور شریعت کے معنی نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت کی کیا حاجت ہے اور ہمارے گناہ سے کیا رنج وتکلیف ہے کہ وہ بادشاہ ہے اور ہماری عبادت سے بے پرواہ ہے۔ اس کے نزدیک عبادت اور گناہ سب برابر ہے۔ یہ جاہل قرآن شریف میں نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ تَزَكّٰى فَإِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ. اور جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اس نے اپنے آپ کو پاک نہیں کیا مگر اپنی ذات کے لیے۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے: وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ. جس نے کوشش کی اس نے کوشش نہیں کی مگر اپنی ذات کے لئے۔

پھر فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ. اور جس نے نیک کام کئے اپنی ذات کے واسطے کیے۔

یہ بدبخت شریعت سے جاہل یہ جانتا ہے کہ شریعت یہ ہے کہ خدا کے لیے کام کیا جائے اپنے لیے نہیں اور یہ ایسا امر ہے کہ کوئی بیمار پرہیز نہ کرے اور کہے طبیب کو اس سے کیا کہ میں اس کا حکم مانوں یا نہ مانوں۔ اس کا یہ کہنا تو سچ ہے لیکن وہ ہلاک ہوجائے گا، طبیب کی حاجت کی وجہ سے نہ ہلاک ہوگا بلکہ اس وجہ سے ہلاک ہوگا کہ پرہیز نہ کرنے میں اس کی ہلاکت ہے۔ طبیب نے تو اسے صحت کی راہ بتائی کہ پرہیز کرے، اس نے نہ کیا تو راہ بتانے والے کا کیا نقصان لیکن وہ خود ہلاک ہوجائے گا۔ جس طرح بدن کی بیماری اس جہاں میں ہلاکت کا باعث ہے، دل کی بیماری اس جہان میں شقاوت کا سبب ہے۔ جس طرح دوا اور

پرہیز بدن کی صحت اور سلامتی کا سبب ہے، عبادت اور معرفت اور گناہوں سے پرہیز دل کی سلامتی کا باعث ہیں۔

وَلَا یَنجو۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْم۔

اور کوئی نجات نہ پائے گا مگر وہ شخص جو خدا کے پاس گناہوں سے دل سلامت لائے گا۔

چوتھی وجہ ان لوگوں کے جہل اور نادانی کی یہ ہے کہ شریعت سے بے خبر ہو کر کہتے ہیں کہ شرع حکم فرماتی ہے کہ خواہش، غصہ، ریا سے دل کو پاک کرو اور یہ امر ممکن نہیں۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو ان ہی چیزوں سے پیدا کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ سیاہ کو سفید کرے تو حکم کی تعمیل کرنا محال ہے۔ اور احمق یہ نہیں سمجھتے کہ شرع نے یہ حکم نہیں دیا کہ غصہ وغیرہ کو بالکل ہی ختم کردو بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ انہیں ادب سکھاؤ اور اس طرح دبائے رکھو کہ شرع اور عقل پر غالب نہ ہو جائیں اور سرکش نہ ہونے پائیں۔ شرع کی حدود پر نگاہ رکھیں اور گناہ کبیرہ سے دور رہیں تا کہ غفور رحیم ان کے صغیرہ گناہ بخش دے۔ اور یہ بات ممکن ہے کیونکہ بہت لوگ اس درجہ پر پہنچتے ہیں اور کیا رسول مقبول ﷺ نے نہیں فرمایا کہ غصہ نہ کرنا چاہیے، اور عیش وعشرت نہ چاہیے حالانکہ آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں اور فرمایا میں تمہاری طرح آدمی ہوں:

اَغضِب کَمَا یَغضِب البَشَر۔ یعنی آدمی کی طرح مجھے غصہ آتا ہے اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ یعنی اس شخص کی تعریف کی ہے جو غصہ پی جائے۔ اس کی تعریف نہیں کی جس کو غصہ آئے ہی نہیں۔ پانچویں وجہ ان لوگوں کے جہل اور نادانی کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفتوں سے بے خبر ہو کر کہتے ہیں کہ خدا کریم اور رحیم ہے جس حال پر ہوں

گے ہم پر رحم ہی فرمائے گا اور یہ نہیں جانتے کہ جس طرح وہ کریم ہے شدید العقاب بھی ہے۔ اور یہ نہیں کہتے کہ باوجودیکہ رحیم وکریم ہے مگر اس جہان میں اکثر خلق کو بلا بیماری بھوک میں بھی رکھتا ہے۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ جب تک لوگ کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ نہیں کرتے مال ہاتھ نہیں آتا۔ اور جب تک محنت نہیں کرتے علم نہیں سیکھتے اور لوگ دنیا کی تلاش میں ہرگز کچھ کوتاہی نہیں کرتے اور یہ نہیں کہتے کہ خدا کریم اور رحیم ہے بے کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ کے آپ روزی دیتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ رزق کا ضامن اور کفیل ہے اور اس نے فرمایا ہے:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا. اور یہ نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین پر مگر خدا ہی کے ذمہ اس کا رزق ہے۔

اور آخرت کا کام خدا تعالیٰ نے عمل کے سپرد کیا ہے اور فرمایا:

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى. اور نہیں ہے آدمی کے لئے مگر جو اس نے محنت کی۔

چونکہ لوگ اس کے کرم پر ایمان نہیں رکھتے اور رزق ڈھونڈنے سے ہاتھ نہیں اٹھاتے لہذا آخرت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں فقط زبانی ہے اور اغوائے شیطانی کچھ اصل نہیں رکھتا۔ چھٹی وجہ ان لوگوں کی جہالت اور نادانی یہ ہے کہ اپنے متعلق غرور میں مبتلا ہو کر کہتے ہیں کہ ہم ایسے درجے پر پہنچ چلے ہیں کہ گناہ ہمارا کچھ نقصان نہیں کر سکتا۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا دین قلتین ہے کہ نجاست گناہ سے ناپاک ہی نہیں ہوتا اور یہ احمق اکثر ایسے کم ظرف ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بے ادبی کی کوئی بات ان سے کرے اور ان کا نمرود وریا توڑے تو ساری عمر اس کی دشمنی میں رہتے ہیں۔ اور ایک نوالہ جس کا لالچ کرتے ہیں اگر انہیں نہ ملے تو جہان ان کی آنکھوں میں تنگ وتاریک ہو جاتا ہے۔ یہ احمق ابھی تک مردی اور

انسانیت میں قلیلین یعنی عالی ظرف نہیں ہوئے کہ ایسی چیزوں سے پاک رکھیں۔ یہ دعویٰ باطل کہ ہم عالی درجہ ہیں، گناہ ہمیں کچھ مضر نہیں ان احمقوں کو کب لائق۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو بھی کہ دشمن، غصہ، خواہش، ریا اس کے پاس بھی نہ آئے تو بھی اس کا دعویٰ کرنا محض تکبر ہے۔ اس لیے کہ اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے مرتبے سے بلند نہیں۔ انبیاء تو اپنی چوک و لغزش سے روتے اور توبہ کرتے تھے۔ بڑے بڑے صحابہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرتے تھے بلکہ شبہ کے خوف سے حلال چیزوں سے بھی بھاگتے تھے۔ اس احمق نے کس طرح جانا کہ یہ شیطان کے مکر میں نہیں پھنسا ہے اور کس طرح پہچانا کہ اس کا درجہ انبیاء اور صحابہ کے مرتبے سے اونچا ہے۔ اگر یہ احمق کہے کہ پیغمبر بھی ایسے تھے کہ گناہ ان کو کچھ ضرر نہ دیتا تھا لیکن نالہ وزاری اور توبہ فقط لوگوں کی تعلیم کے لیے کرتے تھے تو پھر یہ بھی لوگوں کے لئے کیوں کر نہیں دیکھتا کہ جو شخص اس کا قول وفعل دیکھتا ہے وہ بھی تباہ اور خراب ہوتا ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ لوگوں کے تباہ ہونے سے میرا کیا نقصان تو رسول مقبول ﷺ کا بھی کیا نقصان تھا اگر نہ تھا تو آنحضرت ﷺ اپنے آپ کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی محنت میں کیوں رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صدقے کا ایک خرما منہ سے نکال کر پھینک دیا اگر کھا لیتے تو اس سے لوگوں کا کیا نقصان تھا۔ اس کا کھانا سب کے لئے جائز ہوتا۔ اگر اس ایک خرمے سے آنحضرت ﷺ کا کچھ نقصان تھا تو ان احمقوں کو شراب کے پیالوں سے کیوں نقصان نہیں پہنچتا۔ کیا اس احمق کا درجہ رسول مقبول ﷺ سے بڑھ کر ہے اور شراب کے سو پیالوں کا درجہ ایک خرمے سے زیادہ ہے تو یہ احمق اپنے آپ کو گویا دریا جانتے ہیں کہ سو پیالے شراب کے ان کا کچھ نہ بگاڑیں گے۔ معاذ اللہ رسول اعظم ﷺ کو گویا پانی کا چھوٹا سا برتن سمجھتا ہے کہ ایک خرما ان کو بگاڑ دیتا۔ یہ اس کی ایسی حالت ہے کہ شیطان اس احمق کی مونچھیں مروڑے

جہان کے بے وقوف لوگ اس کا مذاق اڑائیں اسی لیے کہ عقلمند تو ایسی بات نہیں کر سکتے اور ایسے شخص کی باتوں پر ہنستے ہیں لیکن بزرگان دین یہ بات جانتے ہیں کہ جس نے خواہش کو اپنا اسیر ماتحت نہ کیا وہ آدمی نہیں بلکہ جانور ہے تو جاننا چاہیے کہ آدمی کا نفس مکار اور دغاباز ہے اور سب جھوٹے دعوے کرتا ہے اور لاف زنی کرتا ہے کہ میں زبردست ہوں تو چاہیے کہ ایسے آدمی سے اس کے دعوے پر دلیل اور حجت طلب کرے اور اس کے سچے ہونے پر اس کا اپنا فیصلہ نہیں بلکہ شرع کا فیصلہ دلیل ہے۔ اگر شرع کی اطاعت میں ہمیشہ خوشی سے مستعد ہے تو سچا ہے اور اگر حکم شرعی میں رخصت تاویل اور حیلہ تلاش کرے تو شیطان ہے مگر دعویٰ ولایت کرتا ہے۔ ایسے شخص سے آخر دم تک دلیل طلب کرتے رہنا چاہیے ورنہ مغرور اور دنیا پر فریفتہ ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ اور آدمی یہ نہیں جانتا کہ متابعت شرع میں نفس کا ہمہ تن مصروف ہونا مسلمانی کا پہلا درجہ ہے۔ ساتویں وجہ غفلت اور خواہش کی بدولت پیدا ہوتی ہے، جہالت اور نادانی سے نہیں پیدا ہوتی۔ اور یہ غیر مباح کو مباح ٹھہرانے والا فرقہ ہے جس نے ان سب وجوہات میں سے جن کا ذکر ابھی گزرا ہے کچھ نہ سنا ہو لیکن کسی گروہ کو دیکھا کہ اباحت کا راستہ اختیار کیے ہوئے اور فساد ڈالتے ہیں۔ چکنی چکنی باتیں بناتے اور صوفیوں کا لباس پہن کر تصوف و ولایت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس گروہ کو بھی یہ طریقہ اچھا لگتا ہے اس لیے کہ اس کی طبیعت میں لغویت و خواہش غالب ہوتی ہے وہ خواہش اسے فساد کی اجازت دیتی ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ فساد کی وجہ سے مجھ پر عذاب ہوگا تاکہ فساد اس پر تلخ اور شاق ہو جائے بلکہ کہتا ہے کہ یہ بات فساد نہیں اس کو فساد کہنا تہمت اور گھڑی ہوئی بات ہے اور وہ تہمت اور بنائی ہوئی بات کا معنی تک نہیں جانتا۔ ایسا آدمی غافل اور شہوت پرست ہوتا ہے اس پر شیطان مسلط ہے۔ ایسا آدمی سمجھانے سے درست نہیں ہوتا کہ اس کو کسی بات سے شبہ نہیں پڑا اور وہ

ان اکثر لوگوں میں سے ہے جن کی شان میں حق تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّا وَ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوبِھِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَفْقَھُوہُ وَفِیْ آذَانِھِمْ وَقْرا۔

بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔

اور وَاِن تَدْعُھُمْ اِلَی الْھُدٰی فَلَنْ یَھْتَدُوا اِذًا اَبَدا۔ اور اگر اے محمد ﷺ تو انہیں ہدایت کی طرف بلائے تو وہ ہدایت نہ پائیں گے کبھی۔

ان لوگوں کے ساتھ زبانِ شمشیر سے بات کرنا چاہئے نہ حجت وتقریر سے:

اس عنوان میں نصیحت کی تفصیل اور چیز کے مباح ٹھہرانے والوں کی غلطی کے بیان میں اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔ جس قدر بیان کیا گیا کہ اس غلطی وگمراہی کا سبب یا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کو پہچانا یا یہ ہے کہ خدا کو نہیں پہچانا یا یہ کہ شریعت کو دریافت نہیں کیا اور جب آدمی کی نادانی ایسے کام میں ہو جو اس کی طبیعت کے موافق ہے تو اس گمراہی کا زائل ہونا دشوار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ بے دھڑک اور بے تکلف راہِ اباحت میں قدم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم متحیر ہیں۔ اگر ان سے پوچھے کہ کس چیز میں متحیر ہو تو جواب نہیں دے سکتے اس لیے کہ ان کو طلب ہے نہ شبہہ۔ ان لوگوں کی مثال ہے جیسے کوئی شخص طبیب سے کہے کہ مجھ کو بیماری کا خلل ہے اور بیماری نہ بتائے تو جب تک طبیب اس کی بیماری نہ جانے گا اس کا علاج نہ کرے گا۔ ایسے آدمی کا یہی جواب ہے کہ جس چیز میں تیرا جی کرتا ہے متحیر رہ لیکن اس بات میں شک نہ کر کہ تو بندہ ہے اور تیرا خالق قادر وعالم ہے۔ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ اور یہ بات اس کو دلیل سے سمجھنا چاہئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ

(مبحث اول: تکلیف شرعی اور جزاء وسزا کے بیان میں)

(عربی: شاہ ولی اللہ، ترجمہ: مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد)

باب 14: دنیا میں اعمال کی سزا:

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ۔ جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے اور اکثر قصوروں کو معاف بھی کر دیتا ہوں اور فرمایا: وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم۔ بے شک اگر وہ لوگ ٹھیک رکھتے توریت اور انجیل اور ان احکام کو جو ان کے پروردگار کی جانب سے ان پر نازل ہوئے تو وہ اپنے اوپر سے اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے اور خدا تعالیٰ نے باغ والوں کے حق میں جب انہوں نے صدقہ کو منع کیا جو فرمایا وہ معلوم ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد الٰہی کی تفسیر میں کہ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو خدا اُس کا حساب تم سے لے گا اور اُس ارشاد میں کہ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ۔ جو برا کام کرے گا اس کو سزا اُس کی دی جائے گی، فرمایا کہ اُن آیتوں میں خدا تعالیٰ کے اس عتاب کا بیان ہے جو بندہ پر بخار اور مصیبت کے پہنچنے سے ہوا کرتا ہے حتیٰ کہ وہ کوئی سامان اپنی قمیص میں رکھتا ہے اور اس کے کھو جانے سے گھبراتا ہے۔ ایسے حالات کی وجہ سے وہ بندہ گناہ سے ایسے صاف نکل جاتا ہے جیسے لوہار کی بھٹی سے سرخ لوہا۔

معلوم کرو کہ ملکی حالت کبھی بہیمت میں پوشیدہ ہو کر پھر ظاہر ہو جاتی ہے وہ پہلی بہیمت سے پیوند پا کر پھر علیحدہ ہو جاتی ہے۔ یہ علیحدگی کبھی طبعی موت سے ہوتی ہے۔ جب قوۃ بہیمی کو غذا اسے مدد نہیں پہنچتی اُس کے مادے تحلیل ہو جاتے ہیں اور ان کو کچھ بدل نہیں پہنچتا اور عارضی حالات گرسنگی، سیری، غصہ وغیرہ کے نفس میں کوئی پہچان پیدا نہیں کرتے تو عالم قدس کا اس پر پرتو پڑ جاتا ہے۔ اور کبھی اختیاری موت سے یہ صورت پیش آتی ہے۔ ہمیشہ آدمی ریاضت سے بہیمی طاقت کو مغلوب کرتا رہتا ہے اور اپنی توجہ ہمیشہ عالم قدس کی طرف رکھتا ہے، اس واسطے اس پر ملکی طاقت کی بجلیاں درخشاں رہتی ہیں۔

اور یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ ہر چیز کو اپنے مناسب اعمال سے انبساط ہوتا ہے اور اپنے مخالف کاموں سے کشیدگی اور ناگواری ہوا کرتی ہے اور ہر ایک رنجیدگی اور لذت کی خاص شکل ہوتی ہے اس لئے وہ متشکل ہوا کرتی ہے۔ مثلاً حاد اور تیز خلط کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی سوزن چبھاتا ہے اور صفراء کی حرارت سے ایذا پانے کی صورت بے چینی اور بے قراری اور خواب میں آگ اور شعلوں کا نظر آتا ہے۔ اور بلغم سے ایذا اٹھانے کی صورت میں سردی کی تکلیف اور خواب میں پانیوں کا نظر آنا۔ تو جب قوت ملکی ظاہر ہوتی ہے تو بیداری کی حالت میں یا خواب میں جس وقت کہ وہ پاکیزہ اور فروتنی و نیازمندی کا کام کرتا ہے ایک اندرونی انبساط پیدا ہوتا ہے۔ اور جب ملکیت کے خلاف اس سے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو ان کیفیات کی صورت میں جو اعتدال کے خلاف ہوتی ہیں یا ان واقعات کی صورت میں جن میں اہانت اور تہدید پائی جاتی ہے خوشحالی اور بشاشی کے مخالف امور صورت پذیر ہوتے ہیں۔ ایک گزندہ درندہ کی صورت میں غصہ ظاہر ہوتا ہے اور مار گزندہ کی صورت میں بخل کا ظہور ہوتا ہے۔ بیرونی جز اوسزا کا کلیتہً قاعدہ یہ ہے کہ اسباب کی صورت میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ جو شخص تمام اسباب اور اس کے انتظام کو معلوم کر لے گا جو اسباب اس سے پیدا ہوتا ہے

وہ خوب سمجھ لے گا کہ خدا کسی گنہگار کو بغیر کسی دنیوی سزا کے نہیں چھوڑتا لیکن اُس انتظام کا لحاظ رکھتا ہے جو بظاہر اسباب آرام اور تکلیف کے نہیں ہوتے تو ان اعمال صالحہ اور اعمال فاجرہ ہی کی وجہ سے آرام و رنج پہنچتا ہے اور جب کوئی بندہ نیک ہوتا ہے اور اسباب تکلیف کے مہیا ہوتے ہیں اور اس کی اصلی اصلاح کے وہ منافی نہیں ہوتے تو اس کے خود اعمال کسی بلا کے دفع ہونے یا بلا کی تخفیف کا باعث ہوا کرتے ہیں۔ اور کسی فاسق کے لئے جب اسباب آرام کے جمع ہوتے ہیں تو ان سے اس کی نعمت کا ازالہ ہوتا ہے اور اگر اعمال کے مناسب ہی اسباب جمع ہوتے ہیں تو ان میں صاف صاف زیادتی ہوجایا کرتی ہے۔

اور اکثر نظام عالم کے اسباب اعمال کے حکم کی نسبت زیادہ اہم ہوا کرتے ہیں تو اس وقت بنظر غائر بدکار کو ڈھیل دے دی جایا کرتی ہے اور نیک بندہ پر تنگی کی جاتی ہے اور اس تنگی سے اس کی قوۃ بہیمی کے مغلوب کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کو یہ امر سمجھا دیا جاتا ہے اور وہ اس کو اسی خوشی سے مان لیتا ہے جیسے کہ کوئی شخص اپنے ذوق و رغبت سے تلخ دوا کو پی لیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اس قول کے یہی معنی ہیں۔ مثل المومن کمثل الخامۃ من الزرع تفیھا الریاح تصرعھا مرۃ و تعدلھا اخریٰ حتیٰ یاتیہ اجلہ و مثل المنافق کمثل الارزۃ المحذیہ اللتی لا یصیبھا شیء حتیٰ یکون انجعا فھا مرۃ واحدۃ. مومن کا حال نرم درخت کے تنا کی طرح ہے، اس کو ہوائیں ادھر سے اُدھر کو جھکاتی رہتی ہیں کبھی وہ اس کو ٹیک دیتی ہیں کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے اور منافق ایسا ہے جیسے کہ سیدھا مضبوط تنا اس کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا یہاں تک کہ ایک ہی بار وہ اکھڑ کر جاپڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ما من مسلم المصیبۃ اذی من معوض فما سواء الا حط اللہ بہ سیئاتہ کما تحط الشجرۃ ورقھا۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ مرض وغیرہ کی تکلیف اس کو پہنچے اور اس کے گناہ ایسے

نہ جھڑ جائیں جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

اکثر ملک ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں شیطان کی بندگی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہاں کے لوگ بہائم کے سے نفوس رکھتے ہیں لیکن خاص مدت تک جزائے عمل کو ان سے موقوف رکھتے ہیں۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ۔ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ کسی گاؤں میں ہم نے نبی نہیں بھیجا کہ ہم نے خوشی اور نقصان میں اُن کی پکڑ جکڑ نہ کی تا کہ وہ نیاز مند ہو جائیں پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی سے بدل دی یہاں تک کہ وہ اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادوں کو تکلیف پہنچتی تھی تب ہم دفعۃً ان کو پکڑ لیا بے خبری میں اور اگر گاؤں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ان کے اعمال کی وجہ سے ہم نے ان کی پکڑ جکڑ کی۔

اور حال یہ ہے کہ دنیا میں جزا و سزا کا حال آقا کا سا ہے جو دارو گیر کے لئے خوب طرح فارغ نہ ہو اور جب قیامت کا دن آوے گا تو وہ پورے فراغ کے ساتھ اس کو پورا کرے گا۔سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ ۔ اے آدمیو اور جنو! میں تمہارے لئے فارغ ہوں گا۔اس کی طرف اشارہ ہے۔اور جزا و سزا کا ظہور کسی بندہ کے نفس میں ہوتا ہے۔اس طرح پر کہ انبساط اور طمانیت اس میں پیدا ہو جاوے یا انقباض اور بے قراری،کبھی اس کا اثر اس کے بدن میں ہوتا ہے کہ غم اور خوف کے ہجوم سے امراض اس پر طاری ہو جائیں۔آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے جب شرمگاہ ظاہر ہوگئی تھی اور آپ بیہوش ہو گئے تھے وہ جزائے بدنی اسی

قسم کی تھی، کبھی مال اور اہل وعیال میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اکثر لوگوں یا فرشتوں اور بہائم کو الہام ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں یا اس کو برائی پہنچائیں اور کبھی وہ شخص الہام اور تعبیرات کی وجہ سے خود بھلائی یا برائی کے قریب پہنچا دیا جاتا ہے۔

جو شخص مذکورہ بالا تقریر کو خوب سمجھ لے گا اور ہر ایک چیز کو اپنے اپنے موقع پر رکھے گا وہ بہت سے اشکالوں سے آرام میں ہو جائے گا۔ مثلاً ان احادیث کے اشکال کو سمجھ جائے گا جو بعض حدیثوں میں وارد ہے کہ نیکی سے رزق بڑھتا ہے اور بدکاری رزق کی کمی کا سبب ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاروں کو دنیا میں فوراً سزا مل جاتی ہے اور بلا میں گرفتار ہونے والے وہ ہیں جن کو زیادہ قرب اور فضیلت حاصل ہے اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اور ایسی ہی اور حدیثیں واللہ اعلم۔

باب 15: موت کی حقیقت میں:

معلوم کرو کہ ہر ایک صورت معدنی اور نباتی اور حیوانی کا ایک خاص مرکب اور سواری ہے جو دوسرے کے لئے نہیں ہے اور ہر ایک اپنے کمالات ازلی میں دوسرے سے ممتاز ہے۔ اگر بنظر ظاہر اس کے معلوم کرنے میں کچھ اشتباہ ہو تو سمجھ لو کہ جب عناصر چھوٹے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور کمی بیشی کی وجہ سے مختلف طریقوں سے ان کی باہمی آمیزش ہوتی ہے تو ان سے مرکبات ثنائی (جن میں دو دو عناصر سے ترکیب ہو) مثلاً بھاپ، غبار، دھواں، نرم مٹی، زمین کاشت کی ہوئی۔ لپٹ، شعلہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور کبھی مرکبات ثلاثی وغیرہ خمیر کردہ مٹی، پانی کے اوپر کی سبزی اور مرکبات رباعی مذکورہ بالا کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ ان اشیاء میں سے ہر ایک کی خاصیتیں اپنی اپنی جدا جدا ہیں جو صرف ان کے اجزاء کی خاصیتوں سے مل کر بنتی ہیں۔ ان خاصیتوں میں اور کوئی چیز اجزاء کی خاصیت کے علاوہ نہیں ہوتی۔ ان اشیاء کا کائنات الجو نام ہے تو معدنی صورت معدنی مزاج پر اپنا تسلط کر لیتی ہے،

اس کو اپنا مرکب بناتی ہے، اس میں اپنے نوعی خواص جدا ہوتے ہیں اور اس مزاج معدنی کی وہ محافظ رہتی ہے۔ اس کے بعد صورت نباتی محفوظ المزاج جسم کو اپنا مرکب بناتی ہے وہ ایسی طاقت ہوتی ہے کہ عناصر اور کائنات الجو کو اپنے مزاج کی طرف منتقل کرتی رہتی ہے تاکہ ان اجزاء کے لئے جو کمال ممکن اور متوقع ہے اس کو فعلیت میں لاوے پھر صورت حیوانی روح ہوائی کو جس میں تغذیہ اور تنمیہ کی قوتیں ہوتی ہیں اپنا مرکب بناتی ہے وہ صورت اس روح ہوائی کے اطراف و جوانب میں حس و ارادہ کے تصرفات کو نافذ کرتی ہے۔ اپنے مطالب کی اس میں آمادگی ہوتی ہے اور ان چیزوں سے وہ باز رہتی ہے جو گریز کرنے کے قابل ہیں۔ ان کے بعد انسانی نسمہ کو جس کا بدن میں تصرف ہوتا ہے اپنا مرکب بناتی ہے اور ان اخلاق کو اپنا مقصد قرار دیتی ہے جو آمادگیوں اور نفرتوں کے لئے اصول ہیں وہ ان اخلاق کو مزین کرتی ہے، عمدگی سے ان کا انتظام کرتی ہے اور آسمانی جانب سے جن امور کا اس پر اتفاق ہوتا ہے ان کے لئے اخلاق کو جلوہ گاہ بناتی ہے۔

اول نظر میں اگرچہ کسی قدر اشتباہ معلوم ہوتا ہے لیکن غور نظر ان تمام اثروں کو اپنے اپنے جسم سے ملحق کر دیتا ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مرکب سے جدا کر دیتا ہے اور ہر ایک صورت کے لئے ایک مادہ کی ضرورت ہے جس میں وہ صورت قائم رہے۔ ہر ایک صورت کا مادہ اس کے مناسب ہوا کرتا ہے۔ صورت کا ایسا حال ہے جیسا کہ موم کے پیکر میں انسان کی صورت قائم ہوتی ہے۔ بغیر موم کے صورت کا قیام نہیں ہو سکتا۔ وہ شخص حق کو نہیں ہے جو قائل ہے کہ موت کے وقت نفس ناطقہ مخصوص بہ آدمی مادہ کو کلیتہ ترک کر دیتا ہے۔ البتہ آدمی کے دو مادے ہیں۔ ایک بالذات وہ نو نسمہ ہے اور دوسرا بالعرض وہ یہ زمینی بدن ہے۔ جب آدمی مرتا ہے تو اس مادہ زمینی کے زوال سے اس کو کوئی مضرت نہیں ہوتی وہ بدستور اپنے مادہ نسمہ میں حلول کئے ہوئے رہتا ہے۔ وہ پُر جودت کاتب کی طرح رہتا ہے کہ جب اس کے دونوں ہاتھ منقطع کر

دیئے جاویں تب بھی وہ اپنی کتابت میں محو رہتا ہے۔ اس میں کتابت کا ملکہ بحالہا قائم رہتا ہے یا جیسے کوئی چلنے کا شایق ہو اور اس کے دونوں پاؤں قطع کردیئے جائیں یا سمیع اور بصیر جب وہ گنگ یا نابینا ہو جاوے۔

اور یقین کرو کہ اعمال اور صورتیں بعض تو ایسی ہیں کہ آدمی ان کو دلی قصد اور ارادے سے کرتا ہے اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ اس کے کرنے کا اقدام کرے گا اور ان کے مخالف اعمال سے باز رہے گا اور بعض اعمال اور ہیئتیں ایسی ہیں کہ ان کو آدمی اپنے بھائی بندوں کی خاطر سے یا کسی خارجی عارض گرسنگی اور تشنگی وغیرہ کی وجہ سے کرتا ہے جب وہ عارض دور ہو جاتا ہے تو اس کی خواہش بھی فرو ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی آدمی کے یا شعر یا اور کسی امر کی کوشش عاشقانہ ہوا کرتی ہے اور لباس وضع میں اپنی قوم کی موافقت کی اس کو ضرورت ہوا کرتی ہے لیکن جب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور وہ اس لباس کو بدل ڈالے تو اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور بہت سے آدمی خود کسی خاص لباس کو پسند کرتے ہیں جب ان کو بحال خود چھوڑ دو تو اس لباس کے ترک کرنے کی ان کو جرات نہیں ہوتی۔ اور بعض آدمی بیدار بالطبع ہوتے ہیں وہ اکثر امور میں ایک جامع چیز کو خود سمجھ لیتے ہیں اور معلومات کو چھوڑ کر ان کا دل علت کو پکڑ لیتا ہے اور فعلوں سے نظر قطع کر کے ملکہ پر دل جم جاتا ہے اور بعض خوابیدہ طبع اور غافل ہوا کرتے ہیں۔ وحدت کو ترک کر کے کثرت کی طرف مائل رہتے ہیں اور ملکات سے ان کو بحث نہیں ہوتی۔ صرف کام ان کو ملحوظ نظر رہتے ہیں اور اعمال کی ارواح سے ان کی صورتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

معلوم کرو کہ مرنے کے بعد آدمی کا یہ بدن خراب ہو جاتا ہے اور اس کے نفس ناطقہ کا تعلق نسمہ سے باقی رہتا ہے۔ جو چیزیں اس میں موجود ہوتی ہیں انہیں کے لئے نفس فارغ ہو جاتا ہے اور جو جو امور اس میں دنیوی زندگی کی وجہ سے بغیر اس کی دلی خواہش کے تھے ان کو

وہ خدا حافظ کہتا ہے۔جن امور کو وہ اپنے اصل جوہر میں روک لیتا ہے وہ سب باقی رہتے ہیں اس وقت ملکی طاقت کا ظہور ہوتا ہے اور بہیمی قوت مخفی اور کمزور ہو جاتی ہے، اس کو اس قوت میں آسمانی جانب سے خطیرۃ القدس اور ان امور کا یقین ہوتا ہے کہ جو وہاں اس کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور اسی وجہ سے قوۃ ملکی کی خوشحالی یا بدحالی ہوتی ہے۔

معلوم کرو کہ قوت ملکی جب بہیمت سے مل ملا کر اس میں ڈوب جاتی ہے تو کسی قدر اس کی مطیع ہو کر اس کے بعض بعض اثروں سے متاثر ہو جاتی ہے لیکن ملکی طاقت کے لئے نہایت مضر یہ ہے کہ نہایت درجہ کے قابل نفرت امور اس میں جم جائیں اور اس کا سراپا نفع اس میں ہے کہ نہایت درجہ کی مناسب ہیئتیں اس میں متشکل ہوں۔نفرت کے قابل امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کو مال اور اہل وعیال سے تعلق زیادہ ہو اس کو یقین ہو کہ ان دونوں امروں کے علاوہ کوئی اور مطلوب نہیں ہے۔نہایت دنی دنی صورتیں اس کے اصل جوہر میں سما گئی ہوں اور وہ امور جمع ہوں جو فیاض طبیعت کے بالکل خلاف ہیں۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ نجاستوں سے اس کو آلودگی رہتی ہو، خدا تعالیٰ کو نہ پہچان کر تکبر کرتا ہو کبھی اس کی حضوری میں نیازمندی سے پیش نہ آیا ہو اور علیٰ ہذا ایسے ایسے امور کا مرتکب ہو جو مرتبۂ احسان کے مدمقابل ہیں۔اور خطیرۃ القدس کی توجہ جو امدادِ حق میں اس کے حکم کی تعظیم انبیاء کی بعثت کے پسندیدہ انتظام کے قائم کرنے میں ہوا کرتی ہے اس کو یہ برہم کرتا ہو اور اس وجہ سے ان کی جانب سے بغض اور لعنت کا مستحق ہوتا رہے۔اور زیبا امور میں سے ان اعمال کا کرنا ہے جن میں طہارت، بارگاہ خداوندی میں نیاز، ان اعمال کو کرنا جن سے ملائکہ کی یاد ہوتی ہو اور ایسے عقائد کا حاصل کرنا ہے جس سے زندگی دنیا کا اطمینان دل سے دور ہو جاوے۔وہ شخص فیاض طبع اور نرم دل ہو، اُس کی جانب ملاء اعلیٰ کی دعاؤں کا رخ ہو اور ان کی توجہات جو پسندیدہ انتظامات کے لئے ہوا کرتی ہیں اُس کی طرف مائل رہیں۔واللہ اعلم۔

گلستان سعدیؒ

(پہلا باب: بادشاہوں کی عادت کے بیان میں)

(شیخ سعدیؒ)

حکایت 26: ایک شخص کشتی لڑنے کے فن میں مشہور تھا۔ تین سو ساٹھ (360) قابلِ فخر داؤ جانتا تھا اور ہر روز ان میں سے ایک داؤ سے کشتی لڑتا تھا۔ اتفاقاً ایک شاگرد محسن پر اس کی طبعیت مائل تھی۔ تین سو انسٹھ (359) داؤ اس کو سکھا دیئے مگر ایک داؤ کے سکھانے میں دیر اور تاخیر کرتا۔ خلاصہ یہ کہ وہ لڑکا طاقت اور ہنر میں مشہور ہو گیا اور کسی کو اس زمانہ میں اس سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اس زمانہ کے بادشاہ سے کہہ دیا تھا کہ استاد کو میرے اوپر جو کچھ بڑائی حاصل ہے وہ بزرگی اور پرورش کے حق کی وجہ سے ہے ورنہ میں قوت میں اس سے کم نہیں ہوں اور فن میں اس کے برابر ہوں۔ بادشاہ کو یہ بات گراں گزری۔ اُس نے کشتی لڑنے کا حکم دیا۔ ایک وسیع میدان تیار کیا اور حکومت کے عہدیدار اور دربار کے سردار اور تمام دنیا کے پہلوان جمع ہو گئے۔ لڑکا مست ہاتھی کی طرح ایسے زور کے ساتھ نکلا کہ اگر کانسی کا پہاڑ بھی ہوتا تو اکھاڑ پھینکتا۔ استاد سمجھ گیا کہ لڑکا قوت میں اس سے بڑھا ہوا ہے، اس عجیب وغریب داؤ سے جو کہ اس سے چھپا رکھا تھا اس کے ساتھ بھڑ گیا۔ لڑکا اس کا توڑ نہ سمجھا، پریشان ہو گیا۔ استاد نے اس کو دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر اٹھا لیا اور زمین پر پٹخ دیا۔ لوگوں میں شور مچ گیا۔ بادشاہ نے استاد کو جوڑا اور انعام دینے کا حکم فرمایا اور لڑکے کو جھڑکا اور ملامت کی کہ تو نے اپنے پالنے والے کے ساتھ مقابلہ کا دعویٰ کیا اور

پھر کچھ نہ کر سکا۔اس نے کہا: اے روئے زمین (تمام دنیا) کے بادشاہ! وہ اپنی طاقت کی وجہ سے مجھ سے نہیں جیتا بلکہ مجھ سے کشتی کے فن کا ایک پیچ باقی تھا اور وہ تمام عمر اس کے سکھانے سے بچتا رہا، آج اسی پیچ سے وہ مجھ پر غالب آ گیا۔اس نے کہا: اسی دن کے لئے میں نے اس کو بچا رکھا تھا کہ عقل مندوں نے کہا ہے: دوست کو اتنی طاقت نہ دے کہ اگر وہ دشمنی کرے تو کر سکے۔کیا تو نے نہیں سنا کہ اس شخص نے جس نے اپنے پروردہ سے بیوفائی دیکھی کیا کہا۔

قطعہ

یا وفا خود نبود در عالم　　یا مگر کس دریں زمانہ نہ کرد
کس نیاموخت علم تیر از من　　کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

(یا وفا دنیا میں تھی ہی نہیں یا شاید کسی نے اس زمانہ میں کی ہی نہیں ہے۔مجھ سے کسی ایسے شخص نے تیر اندازی کا علم نہیں سیکھا کہ جس نے انجام کار مجھے ہی نشانہ نہ بنایا۔)

حکایت 29: ایک فقیر تنہا ایک جنگل کے گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ایک بادشاہ اس کے پاس سے گزرا۔فقیر نے اس سبب سے کہ فارغ البالی قناعت کی سلطنت ہے اس کی طرف دھیان نہ کیا۔بادشاہ اس سبب سے کہ حکومت کا ایک دبدبہ ہے اس پر بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ گدڑی پوشوں کا یہ گروہ جانوروں کی طرح ہے، لیاقت اور انسانیت نہیں رکھتا۔وزیر اس کے نزدیک آیا اور کہا: اے مرد خدا! روئے زمین کا بادشاہ تیرے پاس سے گزرا تو نے کوئی خدمت نہ کی اور قواعد آداب بجا نہ لایا۔اُس نے کہا: بادشاہ سے کہہ دینا کہ خدمت کی توقع اس سے نہ رکھے جو اس سے انعام کی امید نہیں رکھتا اور دوسرے یہ بھی سمجھ لے کہ بادشاہ رعایا کی نگہبانی کے لئے ہیں نہ کہ رعایا بادشاہوں کی تابعداری کے لئے۔

قطعہ

پادشہ پاسبان درویش ست　　　گرچہ رامش بفر دولت اوست
گوسپند از برائے چوپاں نیست　　　بلکہ چوپان برائے خدمت اوست

(بادشاہ فقیر کا چوکیدار ہے! اگرچہ اس بادشاہ کی دولت کے دبدبہ کی وجہ سے اس کا تابعدار ہے۔ بھیڑ چرواہے کے لئے نہیں ہے بلکہ چرواہا اس کی خدمت کے لئے ہے۔)

قطعہ

گر یکے را تو کامراں بینی　　　دیگرے را دل از مجاہدہ ریش
روز کے چند باش تا بخورد　　　خاک مغز سر خیال اندیش
فرق شاہی و بندگی برخاست　　　چوں قضائے نبشتہ آمد پیش
گر کسے خاک مردہ باز کند　　　نشناسد توانگر از درویش

(اگر تو ایک کو بامراد دیکھتا ہے تو دوسرے کا دل محنت ومشقت سے زخمی ہے۔ تو تھوڑے دن ٹھہر تا کہ ظلم کے سر کے بھیجے کو مٹی کھا لے۔ بادشاہی اور غلامی کا فرق مٹ گیا جب لکھی ہوئی تقدیر سامنے آئی۔ اگر کوئی مردے کی قبر کھولے تو مالدار اور فقیر میں فرق نہیں کرسکتا۔)

بادشاہ کو فقیر کی بات بھلی محسوس ہوئی۔ اس نے کہا: مجھ سے کچھ مانگ۔ فقیر نے کہا: یہ مانگتا ہوں کہ دوبارہ آ کر آپ مجھے تکلیف نہ پہنچائیں۔ بادشاہ نے کہا: کچھ نصیحت کر۔ فقیر نے کہا:

بیت

دریاب کنوں کہ نعمت ہست بدست　　　کیں دولت و ملک میرود دست بدست

(کچھ کر لے اس لئے کہ اب نعمت ہاتھ میں ہے، اس لئے کہ یہ دولت اور ملک ہاتھوں ہاتھ جاتا ہے۔)

حکایت 30: ایک وزیر حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس گیا اور دعا چاہی کہ دن رات بادشاہ کی خدمت میں لگا رہتا ہوں اور اس کی خیر کا امیدوار ہوں اور اس کے غصہ سے ڈرتا رہتا ہوں۔ حضرت ذوالنون رو پڑے اور فرمایا: اگر میں خدائے غالب اور بزرگ سے ایسا ڈرتا جیسا کہ تو بادشاہ سے ڈرتا ہے تو میرا شمار صدیقوں میں ہوتا۔

قطعہ

گر نبودے امیدِ راحت و رنج   پائے درویش بر فلک بودے
گر وزیر از خدا بترسیدے   ہمچناں کز ملک ملک بودے

(اگر راحت و رنج کی امید نہ ہوتی تو فقیر کا قدم آسمان پر ہوتا، اگر وزیر خدا سے ایسا ڈرتا جیسا کہ بادشاہ سے تو فرشتہ ہوتا۔)

حکایت 31: ایک بادشاہ نے ایک قیدی کے قتل کا حکم دیا۔ اُس نے کہا: اے بادشاہ! اس غصہ کے سبب جو آپ کو مجھ پر ہے اپنے آپ کو نہ ستایئے کہ یہ سزا تو میرے اوپر ایک سانس میں گزر جائے گی لیکن اس کا گناہ آپ پر ہمیشہ رہے گا۔

قطعہ

دورانِ بقا چو بادِ صحرا بگذشت   تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت
پنداشت ستمگر کہ جفا بر من کرد   بر گردن او بماند و بر ما بگذشت

(زندگی کا زمانہ جنگل کی ہوا کی طرح گزر گیا۔ رنج، خوشی، برا، اچھا سب گزر گیا۔ ظالم سمجھا کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا، وہ ظلم اس کی گردن پر رہا اور ہم پر گزر گیا۔)

بادشاہ کو اس کی نصیحت پسند آئی اور اس کا خون معاف کر دیا۔

حکایت 32: نوشیرواں کے وزیر حکومت کی کسی ضروری مصلحت کے بارے میں سوچ رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک جدا قسم کی رائے دے رہا تھا اور بادشاہ نے بھی اسی طرح ایک تدبیر سوچی۔ بزرجمہر کو بادشاہ کی رائے پسند آئی۔ وزیروں نے پوشیدہ طور پر اُس سے کہا: تو نے بادشاہ کی رائے میں اتنے عقل مندوں کی رائے کی بہ نسبت کیا فوقیت دیکھی؟ اس نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ معاملہ کا نتیجہ تو معلوم نہیں ہے اور سب کی رائے مشیت خداوندی کے قبضہ میں ہے کہ ٹھیک بیٹھے یا غلط تو بادشاہ کی رائے کی ہی موافقت کرنا بہتر ہے تا کہ اگر وہ غلط بھی ہو تو اس کا کہا ماننے کی وجہ سے ناراضی سے بچا رہوں گا۔ کیونکہ عقل مندوں نے کہا ہے:

مثنوی

خلاف رائے سلطاں رائے جستن بخون خویش باشد دست شستن

اگر شہ روز را گوید شب ست ایں بباید گفت اینک ماہ و پرویں

(بادشاہ کی رائے کے خلاف رائے قائم کرنا اپنے خون سے ہاتھ دھونا ہے۔ اگر بادشاہ دن کو کہے کہ یہ رات ہے تو کہہ دینا چاہئے کہ یہ چاند ہے اور یہ ثریا ہے۔)

حکایت 33: ایک مکار نے زلفیں گوندھی یعنی کہ وہ علوی ہے اور حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ شہر میں آیا اور یہ ظاہر کیا کہ حج کر کے آ رہا ہے اور ایک اچھا قصیدہ بادشاہ کے سامنے لے گیا اور دعویٰ کیا کہ اس نے کہا ہے۔ بادشاہ نے اس کو انعام دیا اور تعظیم کی اور بے انتہا مہربانی کی۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے دربار کے ایک مصاحب نے کہا جو اسی دریا کا سفر کر کے آیا تھا کہ میں نے بقرعید کے موقع پر اس کو بصرہ میں دیکھا تھا تو پتا چلا کہ وہ حاجی نہیں ہے۔ دوسرے مصاحب نے کہا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں اور اس کا باپ تو ملاطیہ میں ایک عیسائی تھا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ شریف النسب بھی نہیں ہے اور اس کے اشعار انوری کے دیوان

میں مل گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو ماریں اور شہر بدر کردیں کہ اس نے پے در پے اتنے جھوٹ کیوں بولے۔ اس نے کہا: اے روئے زمین کے بادشاہ! ایک بات رہ گئی ہے، وہ آپ کی خدمت میں عرض کردوں اگر وہ سچی نہ ہو تو جو سزا آپ چاہیں میں اس کا مستحق ہوں۔ بادشاہ نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا:

قطعہ

غریبے گرت ماست پیش آورد   دو پیمانہ آب ست و یک چمچہ دوغ
اگر راست میخواہی از من شنو   جہاندیدہ بسیار گوید دروغ

(اگر کوئی اجنبی آپ کے سامنے چھاچھ لائے تو دو پیالہ پانی اور ایک چمچہ دہی ہے۔ اگر سچی بات سننا چاہتے ہیں تو مجھ سے سن لیجیے۔ جس نے دنیا زیادہ دیکھی ہو وہ جھوٹ زیادہ بولتا ہے۔)

بادشاہ کو ہنسی آ گئی اور اس نے کہا کہ اس نے اپنی عمر بھر اس سے سچی بات نہیں کہی ہے، اور حکم دیا کہ جو اس کی تمنا ہو وہ پوری کردیں اور ہنسی خوشی اس کو رخصت کردیں۔

حکایت 34: ہارون الرشید کا ایک لڑکا غصہ میں بھرا ہوا باپ کے پاس آیا اور بولا کہ فلاں سپاہی کے لڑکے نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ ہارون الرشید نے ارکان دولت سے دریافت کیا کہ ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ ایک نے قتل کا مشورہ دیا اور ایک نے زبان کاٹنے کا، دوسرے نے ضبطی جائیداد اور جلا وطنی کا۔ ہارون الرشید نے کہا: اے بیٹا! شرافت تو یہ ہے کہ تو معاف کردے اور اگر یہ نہیں کرسکتا تو تو بھی اُس کو ماں کی گالی دے دے، اس قدر کہ حد سے نہ گزرے ورنہ پھر تیری طرف سے ظلم ہوگا اور مخالف کی جانب سے دعوے۔

قطعہ

نہ مردست آں بنزدیک خردمند — کہ باپیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آنکس ست از روئے تحقیق — کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

(عقل مند کے نزدیک مرد وہ نہیں ہے جو مست ہاتھی سے لڑے، ہاں مرد وہ ہے تحقیق کے اعتبار سے کہ جب اس کو غصہ آئے تو بیہودہ نہ بکے۔)

حکایت 35: میں بزرگوں کے ایک گروہ کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ ہمارے پیچھے ایک چھوٹی کشتی ڈوب گئی اور دو بھائی بھنور میں پھنس گئے۔ بزرگوں میں سے ایک نے ملاح سے کہا کہ ان دونوں کو پکڑ لے۔ ہر ایک کے عوض تجھے پچاس دینار دوں گا۔ ملاح پانی میں کود پڑا چنانچہ ایک کو نکال لایا اور دوسرا مر گیا۔ میں نے کہا: اس کی عمر باقی نہ تھی، اسی وجہ سے تو نے اس کے پکڑنے میں دیر لگائی اور دوسرے کے پکڑنے میں جلدی کی۔ ملاح ہنسا اور کہا: جو آپ نے فرمایا وہ یقینی بات ہے اور ایک دوسرا سبب بھی ہے۔ میں نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میری طبیعت کا رجحان اس ایک کو بچانے کی طرف زیادہ تھا اس لئے کہ ایک دفعہ میں جنگل میں تھک گیا تھا تو اس نے مجھے اونٹ پر بٹھا لیا تھا اور اس دوسرے کے ہاتھ سے میں نے بچپنے میں کوڑا کھایا تھا۔ میں نے کہا: خدا تعالیٰ نے سچ فرمایا: جو نیک کام کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے۔

قطعہ

تا توانی درونِ کس مخراش — کاندریں راہ خارہا باشد
کارِ درویشِ مستمند بر آر — کہ ترا نیز کارہا باشد

(جب تک ممکن ہو کسی کا دل زخمی نہ کر۔ اس لئے کہ اس راستہ میں بہت کانٹے ہیں حاجت مند فقیر کا کام نکال دے۔ اس لئے کہ تیرے بھی بہت سے کام ہونے ہیں۔)

قابوس نامہ

(فارسی: امیر کیکاؤس بن سکندر)

(مترجم: سید رحمت اللہ شاہ)

سولہواں باب: غسل خانہ جانے کے آداب کا بیان

اے بیٹے! جان لے کہ جب حمام (غسل خانے) جائے تو پیٹ بھر کر نہ جا، کیونکہ یہ نقصان دہ ہے۔ حمام واقعی نہایت اچھی چیز ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب سے حکماء نے عمارتیں بنائی ہیں، حمام سے بہتر کوئی چیز ایجاد نہیں کی گئی۔ تاہم اس ساری خوبی کے باوجود ہر روز حمام جانا مناسب نہیں، کیونکہ اگر اعتدال رکھا جائے تو جسم کو فائدہ بھی ہوتا ہے اور برائی سے بھی نسبت نہیں ہوتی۔ ہر روز جانا نہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ نقصان دہ بھی ہے، اس لیے کہ یہ اعصاب اور جوڑوں کو نرم کر دیتا ہے اور جسم کی سختی کو ختم کر دیتا ہے، اور طبیعت کو ہر روز حمام جانے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ پھر اگر کسی دن حمام میسر نہ ہو تو وہ دن بیماری کے مانند گزرے اور بدن بھاری محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ ہر دوسرے دن حمام جایا جائے۔

جب سردی یا گرمی کے موسم میں حمام جائے تو پہلے سرد کمرے میں کچھ دیر ٹھہر تا کہ طبیعت کو اس سے فائدہ پہنچے پھر درمیانے درجے کے کمرے میں جا اور وہاں بھی کچھ دیر بیٹھ تا کہ اس کا فائدہ حاصل ہو، اس کے بعد گرم کمرے میں جا اور وہاں بھی کچھ دیر ٹھہر تا کہ گرمی کا اثر بدن میں راسخ ہو جائے۔ جب حمام کی گرمی تجھ پر اثر کر لے تو خلوت کے کمرے میں جا کر

سر دھو لے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ حمام میں زیادہ دیر نہ ٹھہر اور نہ بہت گرم اور نہ بہت ٹھنڈا پانی اپنے اوپر ڈال بلکہ پانی معتدل ہونا چاہیے۔ اگر حمام خالی ہو تو یہ ایک بڑی غنیمت ہے کیونکہ حکماء خالی حمام کو بڑی نعمتوں میں شمار کرتے ہیں۔ جب حمام سے باہر آئے تو بالوں کو اچھی طرح خشک کرنا چاہیے، پھر باہر جانا چاہیے کیونکہ گیلی حالت میں باہر جانا دانا لوگوں کا کام نہیں اور معزز لوگوں کے سامنے گیلی حالت میں جانا بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ آداب کے خلاف ہے۔

میں نے حمام کے فائدے اور نقصانات بیان کر دیے، یہی سب ہے۔ البتہ حمام میں پانی پینے اور فقاع (جو کا مشروب) پینے سے پرہیز کر کیونکہ یہ بہت نقصان دہ ہے اور استسقا (پیاس کی بیماری) کا باعث بنتا ہے۔ ہاں اگر نشے یا خمار کی حالت ہو تو بہت تھوڑی مقدار میں پیا جائز ہے تاکہ خمار میں کمی ہو اور نقصان کم رہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ درست بات کیا ہے۔

سترھواں باب: سونے اور آرام کے آداب کا بیان

اے بیٹے! جان لے اور آگاہ رہ کہ رومی حکماء کی یہ رسم ہے کہ جب وہ حمام سے نکلتے ہیں تو کچھ دیر حمام کے مسلخ (لباس بدلنے کی جگہ) میں سوتے ہیں اور اس کے بعد باہر آتے ہیں، اور کسی اور قوم میں یہ دستور نہیں۔ حکماء نے نیند کو موتِ اصغر (چھوٹی موت) کہا ہے اس لیے کہ سونے والا اور مرنے والا دونوں دنیا سے بے خبر ہوتے ہیں؛ فرق صرف یہ ہے کہ ایک سانس کے ساتھ مردہ ہے اور دوسرا سانس کے بغیر۔ بہت زیادہ سونا ناپسندیدہ عادت ہے، یہ جسم کو سست اور طبیعت کو پریشان کر دیتا ہے اور چہرے کی رونق کو ماند کر دیتا ہے۔ پانچ

چیزیں ایسی ہیں جو اچانک انسان کے چہرے کو بدل دیتی ہیں: 1) اچانک خوشی، 2) اچانک غم، 3) غصہ، 4) نیند، 5) نشہ۔ چھٹی چیز بڑھاپا ہے کہ جب انسان بوڑھا ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بدل جاتا ہے مگر وہ ایک الگ کیفیت ہے۔ جب تک انسان سورہا ہو نہ وہ زندوں میں شمار ہوتا ہے نہ مردوں میں؛ جیسے مردے پر قلم (شرعی ذمہ داری) نہیں، ویسے ہی سونے والے پر بھی نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

ہر چند بہ جفا پشت مرا دادی خم — من مہر تو در دلم نگردانم کم
از تو بہ جفا نبرم ای شہرہ صنم — تو خفتہ و بر خفتہ نرانند قلم

(اگرچہ تو نے جفا سے میری پیٹھ جھکا دی ہے، میں پھر بھی تیرے عشق کو دل سے کم نہ کروں گا۔ اے مشہور صنم! میں تجھ سے بیوفائی نہ کروں گا کہ سوئے ہوئے پر قلم نہیں چلتا)

جیسے زیادہ سونا نقصان دہ ہے ویسے ہی بالکل نہ سونا بھی نقصان دہ ہے۔ اگر کوئی شخص بہتر (72) گھنٹے یعنی تین دن رات جان بوجھ کر نہ سوئے یا زبردستی جگایا جائے تو اسے موت کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ دن رات چوبیس گھنٹے کے ہوتے ہیں: آٹھ گھنٹے عبادتِ الٰہی اور گھریلو و معاشی امور کے لیے، آٹھ گھنٹے خوشی، صحبت اور دل و روح کو تازہ رکھنے کے لیے، اور آٹھ گھنٹے آرام کے لیے تاکہ وہ اعضا جو سولہ گھنٹے تک مشقت میں رہے ہوں سکون پا سکیں۔ نادان لوگ ان چوبیس گھنٹوں میں آدھا وقت سوتے اور آدھا جاگتے ہیں؛ سست لوگ کچھ وقت سوتے اور کچھ کام کرتے ہیں؛ جبکہ عقل مند لوگ ایک حصہ سوتے اور دو حصے جاگتے ہیں، اسی تقسیم کے مطابق کہ ہر آٹھ گھنٹے کی ایک الگ کیفیت ہو۔

یہ بھی جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو بندوں کے آرام اور نیند کے لیے پیدا فرمایا

جیسا کہ ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاساً ''اور ہم نے رات کو پردہ بنایا۔'' حقیقت یہ ہے کہ زندگی تن اور جان دونوں سے ہے؛ تن مکان ہے اور جان اس میں بسنے والی ہے۔ جان کی تین خصوصیات ہیں: زندگی، لطافت اور حرکت؛ اور تن کی تین خصوصیات ہیں: سستی، ٹھہراؤ اور بھاری پن۔ جب تک جان اور تن اکٹھے رہتے ہیں، جان اپنی خصوصیات سے تن کو سنبھالے رکھتی ہے اور کام میں لگاتی ہے، اور کبھی تن اپنی خصوصیات سے جان کو غفلت میں ڈال دیتا ہے۔ جب تن اپنی خصوصیات غالب کر لے تو نیند طاری ہو جاتی ہے جیسے کوئی گھر گر جائے تو جو اس میں ہو وہ بھی دب جائے۔ اسی طرح جب تن سو جاتا ہے تو انسان کی تمام حسی قوتیں دب جاتی ہیں؛ نہ کان سنتے ہیں، نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ ذائقہ محسوس ہوتا ہے، نہ لمس، نہ بولنے کی طاقت رہتی ہے۔ لیکن خیال (فکر) اور یادداشت (حفظ) جسم کے مقام سے باہر ہیں، اس لیے وہ دبتی نہیں۔ اسی لیے انسان خواب دیکھتا ہے اور بیدار ہو کر یاد رکھتا ہے کہ میں نے کیا دیکھا۔ اگر یہ بھی جسم کے تابع ہوتیں تو خواب اور یاد باقی نہ رہتے۔

دن میں زبردستی سونا ترک کرنا چاہیے اور اگر نیند آ ہی جائے تو تھوڑی دیر سو لینا کافی ہے۔ دن کو رات بنانا حکمت کے خلاف ہے۔ البتہ امیر اور صاحبِ نعمت لوگ گرمیوں میں دوپہر کو قیلولہ کرتے ہیں، چاہے سوئیں یا نہ سوئیں۔

آرام کا درست طریقہ یہ ہے کہ ایک گھنٹہ سکون کیا جائے، یا کسی ایسے شخص کی صحبت اختیار کی جائے جس کے ساتھ وقت خوشگوار گزرے، یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور گرمی کم ہو جائے، پھر باہر نکلا جائے۔ بہر حال کوشش یہی ہونی چاہیے کہ عمر کا زیادہ حصہ بیداری میں گزرے اور نیند کم ہو کیونکہ بہت زیادہ سونا پسندیدہ نہیں۔ دن یا رات میں جب بھی سوئے، اکیلا نہ سو بلکہ ایسے شخص کے ساتھ سو جس سے تیری روح کو تازگی ملے کیونکہ سونا اور مرنا ایک

طرح کے ہیں؛ فرق یہ ہے کہ ایک زندگی کے ساتھ اور دوسرا بے زندگی کے ساتھ۔ زندہ انسان کو مردوں کی طرح اکیلا نہیں سونا چاہیے۔ لیکن صبح سویرے اٹھنے کی عادت ڈالنی چاہیے، سورج نکلنے سے پہلے تاکہ فرضِ الٰہی ادا ہو جائے۔ جو شخص سورج نکلنے کے بعد اٹھتا ہے وہ تنگ روزگار ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے نماز کا وقت نکل جاتا ہے اور اس کی نحوست اسے آ لیتی ہے۔ پس صبح اٹھ، فرض ادا کر پھر اپنے کاموں کا آغاز کر۔ اگر صبح کوئی کام نہ ہو اور شکار یا سیر کا دل چاہے تو اس میں حرج نہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اٹھارھواں باب: شکار کرنے کے بارے میں

اے بیٹے! جان لو کہ گھوڑے پر سوار ہونا، شکار کرنا اور چوگان کھیلنا باوقار اور معزز لوگوں کا کام ہے، خاص طور پر جوانی میں۔ لیکن ہر کام کی ایک حد اور ترتیب ہوتی ہے۔ ہر روز شکار نہیں کرنا چاہیے۔ ہفتے کے سات دن ہوتے ہیں: دو دن شکار کے لیے رکھ، تین دن عیش کے لیے، اور دو دن اپنے گھریلو و انتظامی کاموں کے لیے۔

جب گھوڑے پر سوار ہو تو چھوٹے گھوڑے پر نہ بیٹھ کیونکہ بڑا آدمی بھی چھوٹے گھوڑے پر حقیر دکھائی دیتا ہے اور اگر کوئی حقیر آدمی ہو تو بڑے گھوڑے پر بلند نظر آتا ہے۔ ہموار چلنے والے گھوڑے پر سواری صرف سفر میں کر کیونکہ ایسے گھوڑے پر آدمی خود کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے۔ شہر یا جلوس میں تیز اور اچھلنے والے گھوڑے پر بیٹھ تاکہ اس کی تیزی کی وجہ سے ہوشیار رہے۔ ہمیشہ سیدھا بیٹھ تاکہ بدصورتی ظاہر نہ ہو۔

شکارگاہ میں بلا وجہ گھوڑا نہ دوڑا، کیونکہ فضول گھوڑا دوڑانا غلاموں اور بچوں کا کام ہے۔ درندوں (جیسے شیر وغیرہ) کے پیچھے گھوڑا نہ دوڑا کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں سوائے

جان کے خطرے کے جیسے کہ دو بڑے بادشاہ درندوں کے شکار میں ہلاک ہو گئے: ایک میرے دادا کے والد وشمگیر بن زیار، اور دوسرے میرے چچا زاد امیر شرف المعالی۔ اس لیے درندوں کے پیچھے چھوٹوں کو دوڑنے دے، خود نہ دوڑ، سوائے اس کے کہ کسی بڑے بادشاہ کے سامنے نام کمانا یا اپنی بہادری دکھانا مقصود ہو۔

اگر شکار کا شوق ہو تو باز، جرغ، شاہین، یوز (چیتا) اور شکاری کتوں کے ذریعے شکار کرنا کہ شکار بھی ہو جائے اور جان کا خطرہ بھی نہ ہو۔ شکار کا گوشت نہ کھانا بہتر ہے اور نہ ہی اس کی کھال پہننا۔

باز سے شکار کے بارے میں: بادشاہ دو طرح سے یہ کرتے ہیں۔ خراسان کے بادشاہ باز کو خود ہاتھ سے نہیں اُڑاتے جبکہ عراق کے بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے باز چھوڑتے ہیں دونوں طریقے درست ہیں۔ اگر بادشاہ نہ ہو تو جیسے چاہے کر اور اگر بادشاہ ہو اور خود باز اُڑانا چاہے تو بھی جائز ہے لیکن کسی باز کو ایک سے زیادہ بار نہ اُڑا کیونکہ بادشاہ کو ایک کھیل دوبارہ نہیں کھیلنا چاہیے۔ ایک بار باز اُڑا اور تماشا کر کہ وہ شکار پکڑتا ہے یا نہیں پھر دوسرا باز لے اور اسے تلاش کے لیے چھوڑ۔ بادشاہ کے لیے شکار کا مقصد تماشا ہونا چاہیے، نہ کہ خوراک حاصل کرنا۔

اگر بادشاہ کتوں سے شکار کروائے تو خود کتا نہیں پکڑنا چاہیے بلکہ خادموں کو کتے چھوڑنے چاہئیں اور بادشاہ صرف تماشا کرے۔ شکار کے پیچھے گھوڑا نہ دوڑا، اور اگر یوز (چیتا) سے شکار کرے تو کبھی بھی یوز کو اپنے پیچھے گھوڑے پر نہ بٹھا کیونکہ یہ بادشاہ کے لیے بدصورت بھی ہے اور عقل کے خلاف بھی کہ کسی درندے کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھا جائے خاص طور پر بادشاہوں اور امیروں کے لیے۔

انیسواں باب: چوگان (پولو) کھیلنے کے بارے میں

اے بیٹے! جان لے کہ اگر تو چوگان کھیلنے کا شوق محسوس کرے تو اسے ہمیشہ کی عادت نہ بنا کیونکہ زیادہ کھیلنے سے بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچا ہے۔

حکایت: کہا جاتا ہے کہ عمرو لیث ایک آنکھ سے نابینا تھا۔ جب وہ خراسان کا امیر بنا تو ایک دن میدان میں چوگان کھیلنے گیا۔ اس کے ایک خادم نے، جو ہر کام میں تیار تھا، اس کا گھوڑا روک لیا اور کہا: میں نہیں چاہتا کہ آپ چوگان کھیلیں۔ عمرو لیث نے پوچھا: تو کھیل سکتا ہے اور میں کیوں نہیں؟ خادم نے کہا: ہم دونوں آنکھوں والے ہیں۔ اگر کوئی ہماری آنکھ میں لگ جائے تو ایک آنکھ اندھی ہو جائے گی اور دوسری دیکھ سکے گی لیکن آپ کی صرف ایک آنکھ ہے اگر کوئی لگ جائے تو آپ کو خراسان کی امارت کھونا پڑے گی۔ عمرو لیث نے قبول کیا اور کہا: ٹھیک ہے، تو نے صحیح کہا، جب تک میں زندہ ہوں کوئی نہیں ماروں گا۔

لیکن اگر سال میں دو بار تو خوشی کے لئے چوگان کھیلے تو یہ جائز ہے۔ مگر زیادہ گھڑسواری نہ کر کیونکہ نقصان کا خطرہ ہے۔ بہتر ہے کہ زیادہ سے زیادہ آٹھ گھوڑے سوار ہوں: ایک میدان کے شروع میں، ایک آخر میں اور چھ درمیان میں۔ جب گوی تیری طرف آئے، اسے واپس مار اور گھوڑا احتیاط سے چلا مگر خطرناک حرکتوں سے بچ تاکہ تو محفوظ رہے اور تیرا مقصد بھی حاصل ہو۔ یہ ہے اشرافیہ کے چوگان کھیلنے کا طریقہ، اور یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے۔

سوشل میڈیا سے انتخاب

(اپنی ذمہ داری پر استعمال کریں)

(سید رحمت اللہ شاہ)

بلغم ختم کرنے کے گھریلو علاج:

1) نیم گرم پانی پیئیں۔ گرم پانی گلہ کھولتا ہے اور بلغم پگھلا کر نکال دیتا ہے۔

2) بھاپ لیں۔ ایک برتن میں گرم پانی رکھ کر پانچ سے سات منٹ تک بھاپ لیں۔ ناک، گلہ اور سینہ فوراً کھل جاتا ہے۔

3) شہد اور ادرک کا استعمال کریں۔ ایک چائے کا چمچ شہد لیں اور ایک چٹکی بھر ادرک لیں۔ ان کو ملا کر کھا لیں۔ یہ کھانسی اور بلغم دونوں کم کرتا ہے۔

4) ہلدی والا دودھ استعمال کریں۔ رات کو سونے سے پہلے نیم گرم دودھ میں ایک چٹکی ہلدی ملا کر پی لیں۔ یہ سوزش کو کم، گلے کو صاف اور بلغم کو نرم کرتا ہے۔

5) نمک والے نیم گرم پانی سے غرارے کریں۔ ایسا کرنے سے گلے کی جلن کم ہو جاتی ہے اور بلغم آسانی سے نکلتا ہے۔

6) سونف یا اجوائن کا قہوہ کا استعمال کریں۔ یہ قہوہ سانس کی نالی کو کھولتا ہے اور بلغم کو پتلا کرتا ہے۔

7) دودھ، چاول اور دیگر ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔ یہ بلغم کو بڑھاتے ہیں۔ ایسی چیزوں کے خاص طور پر رات کے وقت استعمال سے بلغم بڑھ جاتا ہے۔

8) شہد اور گرم پانی کا استعمال۔ گرم پانی میں شہد ملا کر اگر صبح خالی پیٹ پیا جائے تو اس کے پینے سے بلغم ٹوٹ کر جلدی نکلتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے زیر انتظام
مرکز تعمیر ملت پر فری توحیدیہ میڈیکل ڈسپنسری کا قیام

(حافظ محمد یٰسین)

رحمت دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے!

خیر الناس من ینفع للناس

''لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے''

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

تمام اللہ والے نبی مکرم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے مخلوق خدا کی خدمت کے ذریعے اللہ کے قرب کی منازل طے کرتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ کی مخلوق سے دور ہو کر اللہ کا قرب نہیں حاصل کیا جا سکتا۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبد الحکیم انصاریؒ بھی کامل اللہ والے اور مخلوق خدا کا درد رکھنے والی شخصیت تھے۔ آپؒ نے جہاں اپنے مریدین کو اللہ کا مقرب بندہ بننے کا راستہ دکھایا وہاں مخلوق خدا کی خدمت کا بھی درس دیا۔ آپ کا ویژن تھا کہ ہمارا ایک کتابچہ چھپا کرے جس کے ذریعے ہم اپنی تعلیمات مخلوق خدا تک پہنچا سکیں اور بھٹکی ہوئی انسانیت فلاح کا راستہ پا سکے۔

۲) آپؒ چاہتے تھے کے ہم کوئی سکول یا ادارہ کھولیں جس میں اسلامی

تعلیمات کے عین مطابق قوم کے بچوں کی تعلیم وتربیت ہو۔

۳)بانی سلسلہؒ یہ بھی چاہتے تھے کہ ہم کوئی میڈیکل ڈسپنسری یا ہسپتال بنائیں جہاں مخلوق خدا کو مفت طبی سہولیات فراہم کی جائیں۔

اشاعتی کتابچے کا خواب تو بابا جان محمد صدیق ڈارؒ نے ''مجلہ فلاح آدمیت'' کی شکل میں 1997 میں پورا فرما دیا تھا اور یہ مجلہ سلسلہ توحیدیہ کی اشاعت وترویج میں اہم کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک علمی خزانہ بھی ثابت ہوا ہے کیوں کہ اس میں توحیدی بزرگوں کے علمی وادبی مضامین چھپتے ہیں۔

موجودہ شیخ سلسلہ بابا جان محمد یعقوب توحیدی کافی عرصہ سے میڈیکل ڈسپنسری کے قیام کے بارے میں سنجیدگی سے غور فرما رہے تھے اور اس کے لیے موجود اور درکار وسائل کا جائزہ لے رہے تھے۔

بھائیوں سے مشاورت کے بعد طے پایا کہ پہلے ہم ماہانہ کی بنیادوں پر میڈیکل کیمپس لگاتے ہیں تاکہ ہمیں کچھ تجربہ حاصل ہو سکے۔ ماہ اگست 2025ء میں پہلا میڈیکل کیمپ مرکز تعمیر ملت پر لگایا گیا اور اب تک ہر ماہ باقاعدگی سے مرکز تعمیر ملت پر میڈیکل کیمپ لگایا جا رہا ہے۔ جس میں .M.B.B.S ڈاکٹر مریضوں کا فری طبی معائنہ کرتے ہیں اور انہیں فری ادویات بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ الحمدللہ۔ ہر میڈیکل کیمپ میں تقریباً 130 سے 150 افراد طبی سہولیات سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اس شعبے کے لیے بابا جان نے پوری ٹیم مختص کر رکھی ہے جو بڑی تن دہی سے اپنے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ ان میں بھائی جان شفیق احمد، بھائی جان محمد ریاض، بھائی جان محمد

عرفان اور راقم الحروف شامل ہیں۔

ابھی تک میڈیکل کیمپس کا انعقاد مرکز تعمیر ملت کے برآمدے میں ہی کیا جاتا ہے۔ برآمدے میں ڈاکٹرز صاحبان بیٹھتے ہیں اور لان اور صحن میں مریضوں کے لیے کرسیاں ، چارپائیاں بچھا دی جاتی ہیں۔ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ میڈیکل ڈسپنسری کی باقاعدہ عمارت ہوتا کہ مریضوں کو دیکھنے اور انہیں ادویات دینے کے مراحل بہترین انداز میں سر انجام دیے جا سکیں۔

اسی ضرورت کے پیش نظر بابا جان محمد یعقوب تو حیدی نے مرکز تعمیر ملت کے احاطے میں پچھلی طرف جگہ کو ڈسپنسری کے لیے پسند فرمایا اور ماہ اپریل 2026ء کے پہلے اتوار مرکز تعمیر ملت پر ہونے والے ماہانہ اجتماع کے موقع پر فری میڈیکل ڈسپنسری کی عمارت کا سنگ بنیاد توحیدی بھائیوں کی کثیر تعداد کی موجودگی میں کلمہ شریف کا ورد کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے رکھا۔ ڈسپنسری کی عمارت مکمل ہونے کے ساتھ ہی اسے operational کر دیا جائے گا ان شاء اللہ ۔ ڈسپنسری میں ڈاکٹر صاحب کے لیے بہترین کمرہ جس میں تمام ضروری طبی آلات وغیرہ موجود ہوں گے بنایا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی مریضوں کے بیٹھنے کے لیے وسیع ہال نما کمرہ اور اسی میں ادویات وغیرہ کے لیے جگہ بنائی جائے گی۔

فی الحال ماہانہ کی بنیادوں پر میڈیکل کیمپس لگائے جا رہے ہیں۔ جیسے جیسے ہمارے وسائل بڑھیں گے ہم اسے ہفتہ وار اور پھر روزانہ کی بنیادوں پر لے کر آئیں گے اور اہل علاقہ روزانہ مرکز تعمیر ملت سے طبی سہولیات حاصل کریں گے۔ ان شاء اللہ

نہ صرف اہل علاقہ کو تو حیدیہ میڈیکل ڈسپنسری سے فری طبی سہولیات میسر ہوں گی بلکہ بہترین صحت مند زندگی گزارنے کے لیے مثالی طرز زندگی اپنانے کی رہنمائی بھی دی جائے گی تا کہ اہل علاقہ دوائیوں کے بغیر ہی ایک صحت مند زندگی گزاریں۔

ابتدائی میڈیکل کیمپس میں کوجرانوالہ کے بزرگ بھائی محمد طالب صاحب کے پوتے اور بھائی جان عطاء الرحمن کے بیٹے ڈاکٹر سعد حسن نے بطور M.B.B.S. ڈاکٹر خدمات سرانجام دیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ خدمت خلق کے مشن پر ہمہ وقت کوشاں ہے۔''میڈیکل فری ڈسپنسری'' کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی اور ایک خالص فلاحی منصوبہ ہے اس کی عمارت، طبی آلات اور ضروری ساز و سامان پر لاکھوں روپے کے اخراجات متوقع ہیں۔علاوہ ازیں ڈاکٹروں کی فیس اور ادویات کی فراہمی پر بھی ماہانہ کی بنیادوں پر خطیر رقم صرف ہو گی۔ یہ سب آپ جیسے مخلص دوستوں اور بھائیوں کے مالی تعاون سے ہی ممکن ہو پا رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں بھی آپ بھائیوں کا تعاون اور ساتھ اسی طرح شامل حال رہا تو یہ تمام فلاحی کام جلد ہی پایہ تکمیل تک پہنچ جائیں گے۔ ان شاء اللہ!

اللہ سے دعا ہے کہ ہماری ہر مرحلے میں مدد فرمائے، اس کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اخلاص کے ساتھ مخلوق خدا کی خدمت کرتے رہیں۔ اللہ بھائیوں کے جذبوں کو اور توانائی بخشے اور انہیں دنیا و آخرت کی بہترین نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

تصوف پر ابتدائی غور اور تجربہ

(محمد منظور نعمانی)

1361ھ کے اواخر یا 1362ھ کے اوائل میں بعض ایسے حالات سے میں دوچار ہوا کہ چند دن کسی ایسی جگہ رہنے کی میں نے ضرورت محسوس کی جہاں دل ودماغ افکار ومکروہات سے محفوظ رہیں اور قلب کو کچھ سکون واطمینان حاصل ہو۔ اس مقصد کے لئے میری نظر انتخاب اس زمانے کے ایک صاحب ارشاد بزرگ کی خانقاہ پر پڑی جو آبادی اور آبادیوں کے شور و شغب سے الگ تھلک جنگل میں واقع ہے۔ اور منظر بھی سرسبز وشاداب ہے۔ بہر حال میں وہاں پہنچ گیا۔

غالباً پہلا ہی دن تھا، مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر وہ محترم بزرگ خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھا۔ از راہ شفقت وکرم مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا تھا۔ یاد آتا ہے کوئی تیسرا شخص وہاں نہیں تھا۔ قریب ہی خانقاہ کی سہ دری میں چند ذاکر ''نفی اثبات'' کا اور بعض اُن میں سے ''اسم ذات'' کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب اچھے خاصے جہر کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور مشائخ سلوک کے تجویز کئے ہوئے خاص طریقوں سے قلب پر ضرب لگاتے تھے۔ اللہ کے ذکر میں جہر وضرب کا یہ طریقہ اُس وقت میرے لئے صرف نامانوس ہی نہ تھا بلکہ کسی درجہ میں قریبا ناقابل برداشت تھا، چنانچہ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا:

حضرت! ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں جو دیکھا ہے اُس سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ اصل دین صرف وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

لائے اور جس کی تعلیم آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دی اور پھر صحابہ کرامؓ سے بعد والوں نے سیکھا اور صحیح نقل و روایت کے ذریعے جو اُن سے ہم تک پہنچا۔ اور یہ حضرات ذاکرین جس طرح جہری اور ضربی ذکر کر رہے ہیں، جہاں تک اپنا علم ہے، نہ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم فرمایا تھا، نہ صحابہ کرامؓ نے تابعین سے اس طریقے پر ذکر کرلیا اور نہ تابعین نے اپنے بعد والوں کو ہی یہ طریقہ بتلایا تھا۔ اس لیے ذکر کے اس طریقے کے بارے میں مجھے خلجان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اگر میرا یہ خلجان کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے۔

اُن بزرگ نے توقع کے خلاف میرے اس سوال کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے ایک عجیب انداز میں فرمایا: مولوی صاحب! یہ بے چارے جو یہاں میرے پاس آتے ہیں، یہ کسی اور کام کے نہیں ہوتے، بس اسی کام کے ہوتے ہیں اور اسی کے واسطے آتے ہیں، اس لیے میں ان کو یہی بتلا دیتا ہوں، آپ جو کام کرتے ہیں (یعنی تقریر و تحریر سے دین کی خدمت) یہ بہت بڑا کام ہے۔ آپ تو یہی کرتے رہیں اور اس چکر میں نہ پڑیں۔

ظاہر ہے کہ یہ میرے سوال کا جواب نہ تھا۔ لیکن اُن بزرگ نے میری بات کے جواب میں اتنا ہی فرمایا اور مجھے کچھ اور عرض کرنے اور اپنے اصل سوال کی طرف مکرر توجہ دلانے کی مہلت دیئے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اجتماعی مسائل اور ان کے مستقبل پر گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع کر دیا جو میرے لیے بھی دلچسپ تھا۔ اُن کا یہ رویہ دیکھ کر پھر سے اپنے سوال کو اٹھانا میں نے بھی مناسب نہ سمجھا اور عشاء کے قریب یہ مجلس ختم ہو گئی۔

اگلے دن مغرب کے بعد پھر یہی ہوا کہ ذاکرین نے اُسی دھن کے ساتھ اپنا اپنا ذکر شروع کیا۔ مجھ سے پھر نہ رہا گیا اور میں نے کل کا اپنا سوال پھر یاد دلایا لیکن آج بھی اُن بزرگ نے وہی کل والا رویہ اختیار فرمایا کہ میری بات کو بالکل نظر انداز فرما کر ہندوستانی مسلمانوں کی غالباً ماضی و حال کی مختلف تحریکوں پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع فرما دیا اور میرا سوال پھر رہ گیا۔

اُن بزرگوں کے اس رویہ سے الحمدللہ میں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ چونکہ میرے سوال کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہے اس لیے یہ اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں، بلکہ مجھے یہ خیال ہوا کہ غالباً میرے سوال کو ایک اہل اور طالب صادق کا سوال نہیں سمجھا گیا ہے بلکہ ایک مبتلائے زعم و کبر کا اعتراض سمجھ کر اس کو اس طرح نظر انداز فرمایا جا رہا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت اس سوال سے اپنی تشفی (جہاں تک اب یاد ہے) مقصود بھی نہ تھی، بلکہ نیت کچھ اور ہی تھی۔

خانقاہ کے جس حجرے میں میرے سونے کا انتظام تھا، نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہو کر میں اس میں لیٹ گیا اور تصوف کے اس قسم کے اعمال و اشغال پر بطور خود ہی غور کرنے لگا۔ اس غور و فکر میں خود ہی سائل تھا اور خود ہی مجیب۔ یاد آتا ہے کہ اس ذہنی بحث مباحثہ میں دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں چاہتا تھا کہ ذہن اس مسئلہ میں بالکل یکسو ہو جائے، اگر میرے سوچنے میں کوئی غلطی ہو رہی ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے اور اگر میں ٹھیک طور پر سمجھ رہا ہوں تو پھر اس بارے مجھے ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ میں پوری قوت سے ان چیزوں کا رد و انکار کروں اور ان باتوں کے غلط باطل ہونے پر ایک سچے حق پرست کی طرح اصرار کروں۔

اسی غور و خوض میں دیر کے بعد میرا ذہن ایک دفعہ منتقل ہوا کہ تصوف کے ان خاص اعمال و اشغال کو (مثلاً ذکر و مراقبہ کے ان مخصوص طریقوں کو جو مشائخ کے تجویز کیے ہوئے ہیں اور اپنی قیود و اوضاع کے ساتھ سنت سے ثابت نہیں ہیں) میرا بدعت اور نادرست سمجھنا اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید اور ان سے بھی پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں بلکہ بدعات کا حامی اور بدعات کا رواج دینے والا ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ان حضرات نے صرف اتنا ہی نہیں کہ کسی مصلحت یا وقت کے تقاضے سے ان چیزوں کے بارے میں تسامح اور تساہل ہی برتا ہو،

بلکہ ان کی تعلیم سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور ساری عمر اپنے پاس آنے والے طالبین کو انہوں نے ان ہی طریقوں سے ذکر و شغل کرا کے ان کا سلوک طے کرایا ہے۔اُن کی کتابوں کے پڑھنے والے اور حالات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرا پہلو اتنا نمایاں نہیں ہے۔

ذہن کے اس طرف منتقل ہونے کے بعد دل نے یہ فیصلہ تو جلدی ہی کر لیا کہ مجھ جیسے کم فہم اور ناقص العلم کا کسی مسئلے کے سمجھنے میں غلطی کرنا زیادہ ممکن اور زیادہ قرین قیاس ہے، بہ نسبت اس کے کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ و اسمٰعیل شہیدؒ جیسے اکابر علم و دین کی طرف غلطی کو منسوب کیا جائے۔اور وہ بھی ایک ایسے فن سے متعلق مسئلہ میں جس کے ساتھ ہمارا تعلق تو صرف نظری ہے اور ان حضرات کا عمر بھر اس کے ساتھ گہرا عملی تعلق رہا ہے۔

دل نے اپنے خلاف یہ فیصلہ جلدی اور آسانی سے اس لیے کر لیا کہ ان حضرات کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کے شخصی حالات اور اصلاحی وتجدیدی خدمات سے کچھ واقفیت کی وجہ سے ان کے رسوخ فی العلم، تفقہ فی الدین اور عند اللہ مقبولیت کا میں پہلے ہی سے پوری طرح قائل تھا اور میرا دل کسی طرح یہ قبول نہیں کر سکتا کہ یہ سب حضرات (اپنے اپنے زمانہ میں اسرار دین کے عارف اور امت کے مجدد ہونے کے باوجود) چند بدعتوں کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمر ان میں مبتلا رہے اور اللہ کے ہزاروں بندوں کو بھی ان میں مبتلا کرتے رہے۔ بے شک مجدد نبی کی طرح معصوم اور صاحب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کا داعی اور مروج بھی نہیں ہو سکتا۔ خاص کر دین کے جس شعبہ میں اس کو دوسرے سب شعبوں سے زیادہ انہماک ہو اور وہ اس کا خاص داعی ہو اور اسی کے ذریعہ اصلاح وتجدید کا کام کر رہا ہو۔ اس میں اگر بدعت وغیرہ میں امتیاز نہ کر سکے گا تو یقیناً وہ اصلاح سے زیادہ فساد کا اور ہدایت سے زیادہ ضلالت کا باعث ہوگا۔

بہر حال چند خیالی نکتے تھے جن پر پہنچ کر میرے ذہن کی الجھن کچھ کم ہوئی اور میں نے مان لیا کہ غالباً مجھ سے ہی اس مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہو رہی ہے اب مجھے اپنی غلطی ہی کو پکڑنے اور پا لینے کی کوشش کرنا چاہیے۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ اس نتیجہ پر پہنچ کر میں نے اس غور و فکر کا سلسلہ اُس وقت ختم کر کے سو جانے کا ارادہ کر لیا اور سو گیا۔ جن بزرگ کی خانقاہ کا یہ قصہ ہے ان کا معمول ہے کہ روزانہ نماز فجر کے بعد چند میل ٹہلتے ہیں۔ اُس دن یہ عاجز بھی ساتھ ہو لیا اور رات کے اپنے ذہنی بحث و مباحثہ اور اس کے نتیجہ کا ذکر کیا اور عرض کیا:۔

میرے دل و دماغ نے یہ تو مان لیا ہے کہ تصوف کے ان اعمال و اشغال کے بارے میں جو اب تک میں نے سمجھا ہے غالباً وہ صحیح نہیں ہے اور اس میں کوئی غلط فہمی مجھے ہو رہی ہے، لیکن ابھی تک میں اُس غلطی کو پکڑ نہیں سکا ہوں چونکہ طبیعت طالب علمانہ پائی ہے اس لیے چاہتا ہوں کہ یہ گرہ بھی کھل جائے اور جو خلش باقی ہے وہ بھی نکل جائے۔

موصوف میری یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا: مولوی صاحب! آپ کو یہی تو شبہ ہے کہ یہ چیزیں بدعت ہیں؟ یہ بتلایئے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے؟

میں نے عرض کیا: بدعت کی تعریف تو علماء کرام نے کئی طرح سے کی ہے لیکن جو زیادہ منقح اور محقق معلوم ہوتی ہے وہ یہی سیدھی سی تعریف ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لئے شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو۔

فرمایا: ہاں ٹھیک ہے لیکن یہ بتلایئے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود اور مامور بہ ہو اور اللہ ورسول ﷺ نے اس کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہو لیکن کسی وقت زمانہ کے حالات بدل جانے سے وہ اس طریقے سے حاصل نہ کی جا سکتی ہو جس طریقے سے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں حاصل ہو جایا کرتی تھی بلکہ اُس کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو کیا اس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ ''دین میں اضافہ'' اور ''بدعت''

کہیں گے؟ (پھر اپنے مقصد کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے فرمایا) مثلاً دین سیکھنا سکھانا ضروری ہے اور دین میں اس کا نہایت ہی تاکیدی حکم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں اس کے لیے صرف صحبت کافی ہو جاتی تھی، تعلیم کے لئے کوئی مستقل نظام نہیں تھا۔ نہ مدرسے تھے، نہ کتابیں تھیں لیکن بعد میں حالات ایسے ہو گئے کہ صحبت اس مقصد کے لئے کافی نہیں رہی بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی بھی ضرورت پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کئے اور اس کے بعد سے دین کی تعلیم وتعلم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک اسی سے قائم ہے تو کیا تعلیم وتعلم کے طریقے میں اس تبدیلی کو بھی ''دین میں اضافہ'' اور بدعت کہا جائے گا؟

میں نے عرض کیا: نہیں!۔ ''دین میں اضافہ'' جب ہوتا ہے جبکہ مقصود اور امر شرعی بنا کر کیا جائے لیکن اگر کسی دینی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے قدیمی طریقے کے ناکافی ہو جانے کی وجہ سے کوئی نیا جائز طریقہ اختیار کر لیا جائے تو اس کو ''دین میں اضافہ'' نہیں کہا جائے گا اور نہ وہ بدعت ہو گا۔

فرمایا: بس سلوک کے جن اعمال و اشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے اُن سب کی نوعیت بھی یہی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی بلکہ دین میں مقصود اور مامور بہ اور تحلیہ کے لیے کر لیا جاتا ہے، جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کا اور اس کی رضا کا دھیان، فکر رہنا اور اس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین کے لیے تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتی تھیں اور حضور ﷺ کے فیضان صحبت سے

صحابہ کرام کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے کاملین کی صحبت کے ساتھ "ذکر و فکر کی کثرت" کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔

اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت پیدا کرنے کے لیے ان کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے۔ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ضرب کا طریقہ نکالا گیا ہے تو ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لیے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانے کے حالات اور اپنے اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردو بدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں، بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لئے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال و اشغال تجویز کر دیتا ہے اور بعض ایسی اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا کوئی ذکر شغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ اُن کو یونہی نصیب فرما دیتا ہے۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورتاً کیا کرلیا جاتا ہے۔

ان بزرگ کی اس تقریر اور توضیح سے میرا وہ ذہنی خلجان تو دور ہو گیا لیکن ایک نئی پیاس یہ پیدا ہو گئی کہ یہ جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کو خود آزما کے دیکھا جائے اور اپنے ذاتی تجربے سے قلبی اطمینان اور مزید یقین حاصل کیا جائے لیکن میرے حالات اور مشاغل میں اس کی گنجائش

نہیں تھی کہ اس تجربے کے لیے میں کوئی بڑا اور مستقل وقت دے سکوں۔ اس لیے میں نے بے تکلف اور صفائی سے عرض کیا: اگر یہ ذکر شغل ان مقاصد کے لیے کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں تو پھر تو میں بھی اس کا محتاج ہوں لیکن میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا کیونکہ دین کے جن دوسرے کاموں سے کچھ تعلق کر رکھا ہے ان کو بھی میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔

فرمایا: مولوی صاحب! تصوف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے لیکن کیا عرض کیا جائے اللہ کی مشیت ہے، جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے، حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے، بابا صاحبؒ نے اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ، حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا (جن کا سواں اور ہزاروں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں نہیں کر سک رہی ہیں) اُن میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی۔ لیکن اب صورت یہ ہے کہ اس طرف صرف وہی بے چارے آتے ہیں جو بس اللہ اللہ کرنے کے کام کے ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں۔ ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام نہیں کر سکتا۔

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا: خدا معلوم لوگ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں، تصوف تو بس صرف اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور جو کام عشق کی طاقت سے اور اخلاص کی برکت سے ہو سکتا ہے وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تو دراصل تصوف ضروری نہیں ہے بلکہ عشق اور اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کا اس سے بھی آسان اور مختصر کوئی اور

راستہ معلوم ہو جائے تو مبارک ہے، وہ اسی راستے سے حاصل کرلے اور ہم کو بھی بتلا دے، ہم تو اسی راستہ کو جانتے ہیں جس کا اللہ کے ہزاروں صادق بندوں نے سینکڑوں برس سے تجربہ کیا ہے، جن میں سینکڑوں وہ تھے جو دین کے اس شعبہ کے مجتہد بھی تھے اور صاحب الہام بھی تھے۔

میں نے عرض کیا: جو شخص پہلے سے کسی دینی کام میں لگا ہوا ہو اور وہ یہ محسوس کرتا ہو کہ اُسے عشق اور اخلاص نصیب نہیں ہے تو کیا وہ کسی مدت تک اُس کام کو چھوڑ کے پہلے اس کی تحصیل کرے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اُس کو بھی کرتا رہے اور اُس کے ساتھ اس کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے؟

فرمایا: ہاں! ہوسکتا ہے، البتہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں کچھ مدت کے لئے یکسوئی کے ساتھ اسی طرف مشغول ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا: کیا اس کے لیے بیعت ہونا بھی ضروری ہے؟

فرمایا: نہیں! بالکل نہیں! ہاں طلب اور اعتماد کے ساتھ محبت اور صحبت ضروری ہے، بیعت تو صرف تعلق اور اعتماد کے اظہار کے لیے ہے، ورنہ اصل مقصد میں بیعت کو کوئی خاص دخل نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا: پھر مجھ کو بھی کچھ فرما دیں۔

فرمایا: مولوی صاحب! حدیث میں ہے: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤتَمَنٌ (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے، اُس کو پوری دیانتداری سے مشورہ دینا چاہئے) میں آپ کے لئے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ اس مقصد کے لئے فلاں صاحب یا فلاں صاحب کی طرف رجوع کریں، ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور آپ جیسے علم والوں کے لیے میں اُن ہی حضرات کو اہل سمجھتا ہوں۔

میں نے عرض کیا: ان دونوں بزرگوں کی عظمت پہلے سے بھی کچھ دل میں تھی اور اب حضرت کے اس ارشاد سے اور زیادہ ہو گئی ہے، لیکن چونکہ مجھ میں یہ طلب نہیں پیدا ہوئی ہے اس لیے میں تو اس راستے میں حضرت ہی سے راہنمائی حاصل کرنا اپنے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔

موصوف نے اپنی محبت و شفقت کے پورے اظہار کے ساتھ ایک یا دو دفعہ پھر انہیں دونوں بزرگوں کا حوالہ دیا لیکن جب میں نے ادب کے ساتھ اپنی ہی رائے پر اصرار کیا تو قبول فرما لیا اور میری مصروفیتوں کا پورا لحاظ فرماتے ہوئے ذکر وغیرہ کا بہت مختصر سا پروگرام تجویز فرما دیا اور میں نے کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد غالباً چار پانچ دن وہاں اور مقیم رہا۔ جب اجازت لے کر رخصت ہونے لگا تو خاص اہتمام سے فرمایا: حضرت دہلوی (یعنی حضرت مولانا محمد الیاسؒ) کی خدمت میں آپ ضرور جایا کریں اور کچھ قیام کیا کریں۔

اس موقع پر مولانا موصوفؒ کے متعلق بہت بلند چند کلمات ارشاد فرمائے اور یہ حقیقت ہے کہ ان بلند کلمات ہی نے مجھے اس مشورے کی تعمیل پر آمادہ کیا اور جیسا کہ مولانا مرحومؒ کے ملفوظات کے مقدمہ میں لکھ چکا ہوں، اس کے بعد ہی میں نے مولانا موصوفؒ کی شخصیت کو کچھ جانا اور کچھ عرصے کے بعد میں یہ بھی سمجھ سکا کہ مولانا کی خدمت میں حاضری کا اتنے اہتمام سے مجھے کیوں مشورہ دیا گیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ خانقاہیت اور خانقاہی مشاغل اور اہل خانقاہ سے مجھے جو بُعد تھا اُس میں اچھا خاصا دخل میرے اس احساس کو بھی تھا کہ ان حلقوں میں دین کا فکر اور اُس کی خدمت کا جوش میں کم پاتا تھا، حالانکہ میں اس کو رسول اللہ ﷺ کی خاص میراث سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ان بزرگ نے میرے اس احساس کو سمجھ کر اس کی اصلاح و تعدیل کے لیے ہی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضری اور قیام کی مجھے اتنے اہتمام سے تاکید فرمائی، گویا مجھے

ایک عشق باز اور صاحب اخلاص بندے کے دین کے درد اور اس راہ میں اس کی تڑپ اور بے کلی کا مشاہدہ کراتا تھا اور دکھاتا تھا کہ دین کی خدمت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

اے مرغ سحر عشق زپروانہ بیاموز

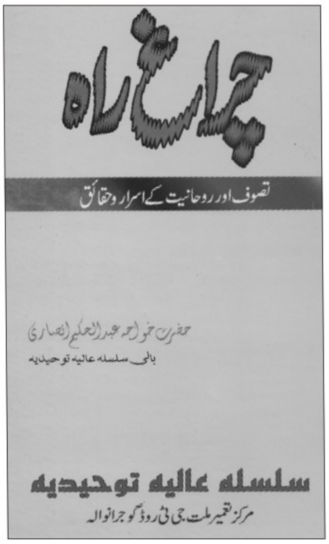
کاں سوختہ جاں شد و آواز نیامد

آٹھ نو برس پہلے کا واقعہ ہے، حافظہ نے اب تک جتنا کچھ محفوظ رکھا لکھ دیا ہے، اپنی اور اُن بزرگ کی گفتگو کا جو حصہ نقل کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اتنے عرصے کے بعد اصلی الفاظ میں نقل کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے ان سب کو روایت بالمعنی ہی سمجھنا چاہیے بلکہ اس کا بھی قوی امکان ہے کہ اس سلسلہ کی بعض باتیں رہ گئی ہوں اور بعض ایسی باتیں یہاں لکھی گئی ہوں جو اس موضوع پر بعد میں کسی اور صحبت میں اُن بزرگ سے سنی گئی ہوں۔ بہر حال جو توضیحات و تشریحات اُن بزرگ کی طرف منسوب کر کے یہاں لکھی گئی ہیں اس کا اطمینان ہے کہ وہ سب اُنہی کی ہیں۔

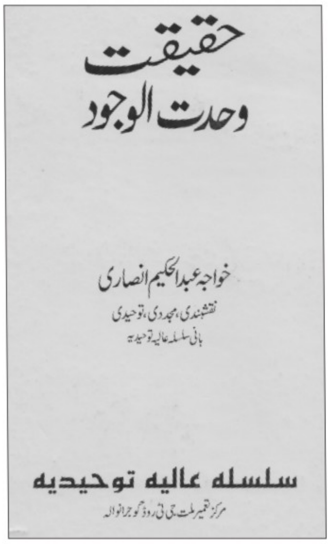
تصوف کے اعمال و اشغال کے متعلق جس ذاتی تجربہ کا ارادہ کیا گیا تھا، افسوس ہے کہ اپنی کم ہمتی اور لااُبالی پن کی وجہ سے اور کچھ اپنے دیگر مشاغل کی کثرت اور خاص نوعیت کے سبب سے کما حقہ وہ تجربہ تو نہیں کیا جاسکا، تاہم ٹوٹا پھوٹا اور برائے نام سا تعلق اس سلسلے سے اور اس کے اشغال سے ان چند سالوں میں رہا اور اس کی وجہ سے اس راہ کے بعض اکابر سے جو قرب حاصل رہا اور ان کے احوال اور ماحول کو قریب سے مطالعہ کرنے کا جو موقع ملا اس سے چند یقین حاصل ہوئے جن میں سے بعض تصوف کے مخالفین اور منکرین کی خدمت میں عرض کرنے کے قابل ہیں اور بعض خود اہل تصوف کی خدمت میں پیش کرنے ضروری ہیں۔

خدا لگتی بات یہ ہے کہ غریب ''تصوف'' اپنے منکروں اور مخالفوں کا تو مظلوم ہے ہی لیکن جو اس کے عامل اور علمبردار ہیں کچھ ان کی بعض چیزیں بھی اس مظلومیت کا باعث بن رہی ہیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

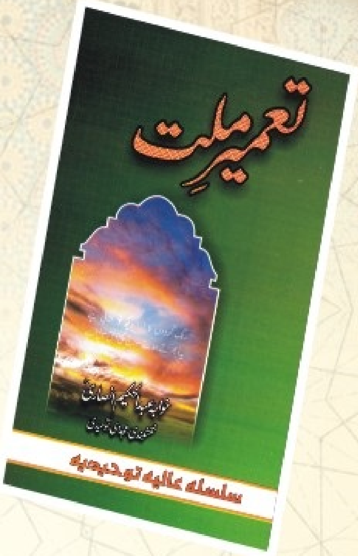


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

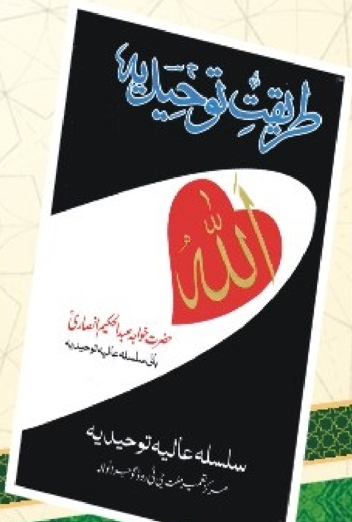


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com